Urdu / اُردُو

مختصر كتاب

إحياء الآثار

مُنيرة بنت عبدالعزيز المقوشي

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مختصر احیاءِ آثار

(آثارِ انبیاء وآثارِ قدیمہ)

تالیف

منیرۃ بنت عبد العزیز المقوشی

ترجمۃ

ابو تراب نور پوری

مقدمہ

الحمد للہ وکفی والصلاۃ والسلام علی النبی المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم تسلیما کثیرا الی یوم الدین

اما بعد:

دور حاضر میں آثار (آثارِانبیاء وآثار قدیمہ) کا اہتمام اور ان کی دیکھ بھال اور انہیں باقی رکھنے کی کوشش کرنا بہت ہی اہم موضوع ہے، بلکہ ہمارے نزدیک تواس اہمیت کی وجہ یہ ہے کہ:

اس کا عقدی اعتبار سے شریعت کے ساتھ بہت ہی پختہ اور مضبوط تعلق ہے اوراس کی دلیل یہ ہے کہ روئے زمین پر سب سے پہلے پائے جانے والے شرک کا سبب بھی آثار (متبرک اشیاء) کا احیاء ہی تھاجو کہ نوح علیہ السلام کی قوم میں پیدا ہوا.

اور پھر بعد میں آنے والی امتیں پہلی امتوں کا ورثہ ہیں، پہلی امتوں میں جو بت تھے وہی بت جزیرہ عرب میں بھی منتقل ہوئے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت شدہ صحیح موقوف اثر میں ثابت ہے.

احیاءِ آثار کے سبب عقیدہ پر اثرانداز ہونے والے اور صحیح عقیدہ کو مٹانے والے خطرناک اثرات کو مدنظر رکھتے ہوئے قارئین کرام کی آسانی کے لیے میں اپنے ایم اے کے لیے لکھے گئے مقالہ (احیاء الآثار دراسۃ عقدیۃ) کا اختصار کر کے پیش کر رہی ہوں.

تمہید

کتاب کا اختصار شروع کرنے سے قبل بیان کرنا چاہتی ہوں کہ آثار سے کیا مراد ہے:

لغت میں ہر چیز کی باقی ماندہ دیکھی جانے والی چیز کو اثر کہتے ہیں.

اور شرعی اصطلاع میں نبی کریم ﷺ کی سنت کو اثر کہا جاتے ہے چاہے وہ مرفوع ہو یا صحابہ رضی اللہ عنہم پر موقوف یا پھر تابعین عظام رحمہم اللہ پر مقطوع ہو.

اور علماء آثار کی اصطلاح میں ہر وہ چیز جو پہلے لوگ بعد والوں کے لیے چھوڑ جائیں چاہے وہ عقدی آثار ہوں یا مادی.

ماہرینِ آثار علمِ آثار کی ایک تعریف پر تو متفق نہیں لیکن اسے پچھلی صدی کی پیداوار ہونے کی بنا پر نیا ضرور شمار کرتے ہیں، ماہرین کے ہاں علم آثار مادی اور محسوس ورثہ پر مشتمل ہے جسے انگلش میں آرکیولوجی (Archaeology) کا نام دیا جاتا ہے.

اسی طرح علمِ آثار بشری و معنوی اور فکری و اعتقادی اور ثقافتی ورثہ پر بھی مشتمل ہے جسے انگلش میں انتھروپولوجی (Anthropology) کا نام دیا جاتا ہے.

اس بنا پر (آثار الاحیاء) کی مرکب اصطلاح میں تعریف کچھ اس طرح ہو گی:

پہلے لوگوں نے مرویات و مرئی اشیاء میں سے جو کچھ بھی بعد والوں کے لیے بطور ترکہ و ورثہ چھوڑا ہو اس کی حفاظت کرتے ہوئے اس کی بقا کی کوشش کرنا، اور اگر وہ برباد ہو چکی ہے تو ان آثار قدیمہ کو تلاش کر کے دوبارہ مرمت کے بعد زندہ رکھنے کا نام احیاءِ آثار کہلاتا ہے.

مندرجہ بالا اصطلاح و تعریف میں دو اشیاء پائی جاتی ہیں:

اول: مروی آثار کو حفظ و علم اور درس و تدریس اور ایک دوسرے کو سنا کر اس علمِ مرویات کا احیاء کیا جائے.

دوم: مرئی اشیاء کا احیاء کئی ایک امور پر مشتمل ہے:

اول: اس مرئی چیز کی زیارت کرنا اور اس جگہ جانا.

دوم: ان آثارِ مرئیہ کو تلاش کرنا اور اگر وہ آثار مٹ چکے ہوں تو ان کے لیے زمین کی کھدائی کر کے ان آثار کا احیاء .

سوم: ان آثار قدیمہ کی دیکھ بھال اور اس کی تزیین کر کے اس پر عمارت وغیرہ بنا کر اسے سیاحوں کے لیے تیار کرنا.

ان آثار کو مختلف حیثیت و اعتبار سے کئی انواع و اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے مثلا: مرویات و مرئیات، مادی و معنوی، ثابت شدہ اور نقلی و جھوٹے، باقی ماندہ اور مٹے ہوئے آثار،،، وغیرہ

ان آثار کی انواع واقسام کی وجہ سے ان کی قدر و قیمت اور ان کے احیاء کا سبب اور ان سے تعامل مختلف ہو گا، ان میں کچھ کی قدر و قیمت درج ذیل اعتبار سے ہو گی :

1 - ان آثار کا صدیوں قدیم ہونا، ماہرین آثار قدیمہ کی اصطلاح یہی ہے .

2 - آثار کسی معین وخاص شخصیت کے متعلق ہوں .

3 - اس کی کوئی شرعی فضیلت ہو .

لیکن یہ یادرکھیں کہ اس تقسیم سے ان آثار قدیمہ کی قدروقیمت یا ناقدری ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان آثار کی قدروقیمت میں اختلاف کے باوجود وہ اصل میں صرف آثار قدیمہ ہی کی حد تک ہی رہینگے .

مندرجہ بالا سطور پر غور کرنے والے کو یہی سمجھ آتی ہے کہ ماہرین فن کی اصطلاح میں آثار درج ذیل دو معنوں میں محصور ہیں :

1 - روایات کردہ احادیث و آثار : جو کہ نبی کریم ﷺ سے قولی یا فعلی یا تقریری طور پر مروی ہیں، یا پھر آپ کے اخلاق و صفات اور جسمانی اوصاف بیان کیے گئے ہیں، اور شرعی معنی واصطلاحی تعریف بھی یہی ہے .

2 - محسوس و مرئی آثار : جو کہ بشری ورثہ ہے چاہے وہ ورثہ فکری ہو یا مادی، آثار کا اصطلاحی معنی یہی ہے .

ابتدائی طور پر ان دو اقسام کے متعلقہ شرعی احکام کے بارہ میں ہی درج ذیل امور پر کلام ہوگی:

1 - آثار و تبرکاتِ نبویہ کی اقسام۔

2 - تباہ شدہ قوموں کے آثار۔

3 - جاہلی بت پرستانہ آثار۔

4 - آستانوں اور قبروں کے آثار۔

آثار و تبرکاتِ نبویہ

آثار و تبرکاتِ نبویہ درج ذیل اشیاء پر مشتمل ہیں:

1 - احادیث و روایات کی شکل میں آثار نبویہ۔

2 - نبی مکرم ﷺ کے جسم مبارک سے منفصل شدہ آثار و تبرکات۔

3 - نبی مکرم ﷺ کے متبرک مقامات کے آثار۔

احادیث و مرویات کے آثار

محدثین کی اصطلاح میں مرویات و احادیث سنت کے معنی میں ہے اور اس سے درج ذیل تعریف مراد لی جاتی ہے:

نبی کریم ﷺ کا قول یا فعل یا تقریر یا آپ ﷺ کی اخلاقی صفت یا جسمانی وصف بیان کرنا.

آثار میں سب سے قیمتی اور عظمت و شرف والی چیز یہی حدیث ہی ہے جو کہ باقی آثار کی طرح نہیں، کیونکہ یہ اللہ سبحانہ و تعالی کی جانب سے وحی ہے جو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کی طرف وحی فرمائی اور ہمیں اس کی اتباع کا حکم دیا ہے.

حجیت حدیث اور ان آثارِ احادیث کے احیاء کے وجوب پر بہت دلائل پائے جاتے ہیں جن میں سے چند ایک ذیل میں بیان کیے جائینگے:

1 - رسول کریم کی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم:

اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ﴾ آل عمران (32).

فرمادیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری کرو.

2 - حکمت کی پیروی کا حکم:

جو کہ نبی کریم کی سنت ہے، فرمان باری تعالی ہے:

﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ البقرة (129).

اور وہ (رسول ﷺ) انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے.

3 - نبی کریم ﷺ جو لائے ہیں اس پر عمل کرنے کا حکم:

فرمان باری تعالی ہے:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا﴾ الحشر(7)

اور رسول کریم ﷺ تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ.

4 - تنازع و اختلاف کے وقت کتاب و سنت پر عمل کرنے کا حکم:

اور نبی کریم ﷺ کی مخالف کرنے والے کے لیے شدید قسم کی وعید، فرمان باری تعالی ہے:

﴿فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ النساء(59).

اگر تمہارا کسی چیز میں تنازع ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ تعالی اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو.

5 - نبی کریم ﷺ کی اقتداء و پیروی کرنے کا حکم:

فرمان باری تعالی ہے:

﴿لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ﴾ الاحزاب(21).

یقینا تمہارے لیے رسول کریم ﷺ میں بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالی اور یوم آخرت کی توقع رکھتا ہے.

نبی کریم ﷺ کی حدیث وسنت کو زندہ کرنے کا اجر وثواب:

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: جس کسی نے بھی دین اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کیا اور اس کے بعد اس پر عمل کر لیا گیا تو جاری کرنے والے کو بھی اتنا ہی اجر وثواب حاصل ہوگا جتنا عمل کرنے والے کو، اور ان کے اجر وثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائیگی، اور جس کسی نے بھی دین اسلام میں کوئی برا و غلط طریقہ جاری کیا اور جاری کرنے والے کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو جاری کرنے والے کو بھی عمل کرنے والے جتنا ہی گناہ ہوگا، اور ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں کی جائیگی. صحیح مسلم.

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول ہے:

" ... ہم پر کتاب اللہ اور رسول کریم ﷺ کی اتباع و پیروی کرنا لازم ہے، اور پھر ان دونوں میں سے ایک کی اتباع ہی دوسرے کی اتباع ہے؛ کیونکہ رسول کریم ﷺ نے ہی کتاب اللہ کی ہم تک تبلیغ کی اور کتاب اللہ نے ہمیں رسول کریم ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے، لہذا کتاب اللہ اور رسول ﷺ بالکل مختلف نہیں. مجموع الفتاوی (19/ 47).

سنت نبویہ اور سلف رحمہ اللہ کا سنت نبویہ کا اہتمام کرنا اور سنت نبویہ کا علم حاصل کرنے والوں کے احوال کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے اصل کتاب کے (45 - 65) صفحات کا مطالعہ کریں، اور اسی طرح سنت نبویہ کے متعلق شبہات کا رد اور ازالہ آپ اصل کتاب (382-404) کے صفحات پر دیکھ سکتے ہیں.

خلاصہ :

صحیح احادیث و روایات کی شکل میں آثار نبویہ ہی عظیم و شرف کے حامل ہیں جو رسول کریم نے اپنے ورثہ میں چھوڑے ہیں؛ کیونکہ یہ باقی آثار کی طرح نہیں بلکہ اللہ سبحانہ و تعالی کی جانب سے اپنے رسول کی جانب وحی کردہ ہیں.

اور اسی لیے صحیح احادیث و مرویات کی شکل میں پائے جانے والے ان آثار کو حفظ اور تعلیم و تعلم کے ذریعہ اور اس پر عمل کر کے ان آثار کا احیاء ضروری ہے، تاکہ اللہ سبحانہ و تعالی کے حکم پر عمل اور نبی کریم ﷺ کی سنت کی اتباع ہو سکے.

حجیت حدیث کے دلائل کا شجرہ و خاکہ دیکھنے لیےآپ درج ذیل بارکوڈ کو موبائل کیمرہ سے دیکھ سکتے ہیں.

منکرین حدیث کے خاص خاص شبہات دیکھنے کے لیےآپ درج ذیل بارکوڈ کو موبائل کیمرہ سے دیکھ سکتے ہیں.

2 - نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک سے منفصل تبرکات :

نبی کریم ﷺ کے جسد مبارک سے منفصل متبرکات سے مراد وہ آثار و متبرکات ہیں جو نبی ﷺ کریم کے جسد مبارک سے متصل تھے، یا پھر آپ ﷺ کے جسد مبارک سے لگے یا آپ ﷺ نے ان اشیاء کو استعمال کیا، اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد وہ اشیاء و تبرکات باقی رہ گئے.

چنانچہ شرعی نصوص اور دلائل کا تتبع کرنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ وہ اشیاء و تبرکات جن کا تعلق نبی کریم ﷺ کے جسد مبارک سے تھا اور کچھ عرصہ تک آپ ﷺ کی وفات کے بعد باقی رہیں وہ تین قسم کی ہیں:

پہلی قسم: وہ اشیاء جو نبی کریم ﷺ کے جسد مبارک سے علیحدہ ہوئیں اور آپ ﷺ کی وفات کے کچھ عرص تک باقی رہیں: مثلا بال اور پسینہ مبارک.

موئے مبارک، یعنی نبی کریم ﷺ کے بال: نبی کریم ﷺ کے کچھ بالوں کے متعلق روایات میں ملتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے کچھ بال چند ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اس کے بعد کچھ تابعین عظام کے پاس آپ کے بال مبارک محفوظ تھے، لیکن تیسری صدی ہجری کے بعد مجھے نہ توان بالوں کا ذکر تاریخ کی کسی کتاب میں ملا ہے اور نہ ہی کسی سیرت کی کتاب میں کیونکہ اس دور سے اس کی سند اور خبر منقطع ہو چکی ہے.

صحیح سند کے اعتبار سے بال مبارک کے متعلق یہی ثابت ہوا ہے کہ آخری شخص جس کے پاس یہ بال مبارک تھے وہ امام احمد رحمہ اللہ ہیں، اور اگر تیسری صدی کے بعد کسی کے پاس

یہ بال مبارک رہتے تو اس کا ذکر کتب میں ضرور ملتا اور ان بالوں کی اہمیت کی بنا پر ضرور صراحت کی جاتی کہ بعد میں یہ بال مبارک کس نے سنبھال کر رکھے، کیونکہ یہ بال مبارک نبی مکرم ﷺ کی طرف منسوب تھے جو کہ قابل فخر چیز ہے، لیکن جب اس کی سند منقطع ہو گئی اور بالوں کے متعلق کوئی خبر نہ رہی تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بال ختم ہو گئے اور پہلی تین صدیوں میں کے بعد ان کا وجود نہیں ملتا.

واللہ تعالیٰ اعلم.

نبی مکرم کا پسینہ مبارک:

روایات کے مطابق یہ پسینہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس تھا، اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت یہ پسینہ کافور کے ساتھ ملا کر کفن کو لگانے کی وصیت کی تھی.

نبی کریم ﷺ کی وفات کے ساتھ ہی پسینہ بھی ختم ہو گیا کیونکہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد یہ پسینہ حاصل نہیں ہو سکتا، اور صحیح روایات کے مطابق کچھ پسینہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے محفوظ کر رکھا تھا ان کے علاوہ کسی کے پاس نہ تھا.

دوسری قسم:

وہ اشیاء جو نبی کریم کے جسم مبارک کے ساتھ لگیں اور آپ نے انہیں زیب تن کیا تھا مثلا: جبہ مبارک، پگڑی مبارک، انگوٹھی مبارک اور جوتے مبارک.

نبی کریم کی قمیص اور جبہ مبارک:

نبی کریم کی ﷺ قمیص و جبہ مبارک بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام کے پاس محفوظ ہونے کا ذکر ملتا ہے، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس کو آخری بار دیکھے جانے کے متعلق کلام کرتے ہوئے البدایۃ والنہایۃ میں کچھ اس طرح رقمطراز ہیں:

عباسی دورِ حکومت کے سقوط کے بعد کسی کو بھی (جبہ و قمیص مبارک) کے متعلق کوئی علم نہیں رہا. البدایۃ والنہایۃ (6/379).

ہم اس کے اختتام کی تفصیل لاٹھی مبارک کے موضوع میں بیان کرینگے.

نبی کریم کی انگوٹھی شریف:

نبی کریم ﷺ کی انگوٹھی کے متعلق بیان ملتا ہے کہ آپ کے بعد یہ انگوٹھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس رہی اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے بئر اریس میں گر گئی.

اسطرح انگوٹھی کی انتہاء بئر اریس میں گرنے سے ہوئی، جبکہ اس حادثہ کے بعد بئر اریس کو بئر خاتم کے نام سے یاد کیا جانے لگا، انگوٹھی کنویں میں گرنے کے بعد کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کنویں کا پانی نکال کر انگوٹھی تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن انگوٹھی نہ مل سکی.

نعلین شریفین:

نعلین کے متعلق ذکر ملتا ہے کہ یہ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد میں تابعین عظام کے پاس تھے، اس سلسلہ میں صاحب کتاب فتح المتعال فی وصف النعال لکھتے ہیں:

ہم نے اپنے دور میں نعلین کو تلاش کرنے کی کوشش کی تو لوگوں سے پوچھنے کے باوجود کسی کے پاس بھی نہ مل سکا، میرے خیال میں تیمور لنک نے (803) ہجری میں جب دمشق کو تباہ وبرباد کرکے جلا کر راکھ کیا تو اس حادثہ میں نعلین بھی ناپید ہوگئے.

فتح المتعال فی وصف النعال صفحہ (254).

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تیمور لنک کے واقع میں نعلین مفقود ہوگئے اور کسی کو بھی ان کے متعلق کوئی علم نہیں رہا.

تیسری قسم:

نبی کریم ﷺ کی استعمال کردہ اشیاء: مثلا درع، لاٹھی، تلوار، پیالہ، سرمہ دانی وغیرہ.

نبی کریم ﷺ کی زرع مبارک:

کتب تواریخ میں ملتا ہے کہ زرع مبارک صحابہ کرام کے پاس تھی اور ان کے بعد تابعین عظام کے پاس بھی رہی، لیکن ان کے بعد اس کا کوئی علم وخبر نہیں ملتی کہ کہاں گئی.

نبی کریم کی لاٹھی شریف:

اس کے متعلق آتا ہے کہ یہ عباسی خلفاء کے پاس تھی اور ہلاکو خان نے جب عباسی دورِ حکومت کا خاتمہ کیا تو قمیص و جبہ اور لاٹھی شریف کو جلا دیا اور اس کی راکھ نہر دجلہ میں بہا دی.

قرون اولی کے بعد کتب تاریخ و سیرت میں مجھے تو آپ ﷺ کی تلوار اور پیالہ شریف، اور پگڑی اور لاٹھی و زرع وغیرہ دوسرے تبرکات کا کوئی ذکر نہیں ملا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ انقطاع سند کی بنا پر یہ اِشیاء ضائع ہو چکی ہیں، پہلی کتب تاریخ و سیر میں ان کے متعلق سند منقطع ہے، اگر ان اشیاء میں کوئی بھی چیز بعد میں موجود ہوتی تو جن کے پاس تھیں ضرور بیان کرتے، واللہ تعالی اعلم.

تعجب تو اس بات پر ہے کہ نبی کریم ﷺ کی درع و پیالہ و سرمہ دانی وغیرہ دوسرے متبرکات کی موجودگی کا ذکر بعض متأخر کتب سیر و تاریخ میں ملتا ہے، حالانکہ جیسا کہ میں نے اوپر کی سطور میں بیان بھی کیا ہے کہ ان اِشیاء کی سند تو پہلے ہی منقطع ہو چکی تھی یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اب ان اِشیاء کی موجودگی صحیح نہیں.

اور پھر ان کتب تاریخ و سیر پر اعتماد کرنا بھی ممکن نہیں کیونکہ ان کتب میں سب رطب و یابس اور صحیح و ضعیف نقل کیا گیا ہے.

السیرۃ الحلبیۃ کے مؤلف ابو الفرج اپنی کتاب میں کچھ اس طرح رقمطراز ہیں:

یہ بات کسی پر بھی مخفی نہیں کہ (کتب) سیر میں سب رطب و یابس جمع کردیا جاتا ہے اس میں موضوع کے علاوہ باقی سب صحیح و ضعیف و مرسل و منقطع اور معضل تک بیان کر دیا جاتاہے. دیکھیں: السیرۃالحلبیۃ (1/5).

موجودہ دور میں عجائب گھروں میں دیکھے جانے والے متبرکات نبویہ کس حدتک صحیح ہیں:

کچھ سطور قبل میں نے بیان کیا ہے کہ بعض تبرکات نبویہ کا خاتمہ ہو چکا ہے اور اس کے دلائل بھی بیان کیے،اس کاخلاصہ درج ذیل نقاط میں بیان کیا جاسکتا ہے:

1-وہ آثار و تبرکات جو نبی کریم ﷺ کی وفات کے ساتھ ہی ختم ہو گئے، مثلا آپ ﷺ کے ہاتھ ، لعاب، تھوک،اور وضوء کا باقی ماندہ پانی.

2-وہ آثار و تبرکات جو قبروں میں دفن کر دیے گئے: مثلاآپ ﷺ کی چادر مبارک جس صحابی رضی اللہ عنہ کے پاس تھی انہوں نے اسی چادر میں کفنانے کی وصیت کی تھی،اور اسی طرح لاٹھی مبارک اورآپ ﷺ کے بال مبارک.

3-وہ آثار و تبرکات جو جل کر راکھ ہو گئے: مثلاایلی چادر اور لاٹھی مبارک جسے ہلا کو خان نے جلا کر راکھ کر دیا تھا.

4-وہ آثار و تبرکات جو مفقود اور ضائع ہو گئے: مثلاً کعبی جبہ و چادر، جو بنو امیہ کی حکومت کے زوال کے ساتھ ہی مفقود ہو گئی، اور اسی طرح موئے مبارک اور نعلین، اور درعہ اور انگوٹھی بھی مفقود ہو گئی.

5-وہ آثار و تبرکات جن کی نبی ﷺ کی طرف نسبت ہی صحیح نہیں مثلاً: پیالہ اور لاٹھی، عمامہ اور نعلین.

اوپر کی سطور میں جن تبرکات و آثار کے متعلق جو کچھ بیان ہوا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ آثار و تبرکات جن کا صحیح ثبوت تو ملتا ہے لیکن کچھ مدت کے بعد وہ آثار و تبرکات بھی مٹ کر مفقود ہو کر ختم ہو گئے، کیونکہ ان کے باقی ہونے کی کوئی بھی صحیح دلیل نہیں ملتی، لیکن تعجب تو اس بات پر ہے کہ کئی ایک عجائب گھروں اور مزارات میں ان کی موجودگی کا دعوی سامنے آ رہا ہے!

اہم بات یہ ہے کہ عجائب گھروں اور مزارات میں جن آثار و تبرکات کی موجودگی کا دعوی کیا جا رہا ہے مثلاً دندان مبارک، نعلین مبارک، خرقہ و چادر، جائے نماز مبارک، تلوار کی مٹھی، کمان مبارک، نبوی جھنڈا، اور بعض دوسرے انبیاء اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار و تبرکات ان سب کی تحقیق کی جائے کہ آیا یہ صحیح بھی ہیں یا نہیں؟

اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ اب پندرویں صدی ہجری میں ان آثار و تبرکات میں نبی کریم ﷺ کے غسل کے پانی کی موجودگی کا بھی دعوی کیا جا رہا ہے!

یہ بات تو صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے نبی کریم کا پسینہ مبارک شیشی میں ڈال کر اپنے پاس محفوظ رکھا تھا، لیکن یہ تو کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم کی وفات کے بعد ان کے وضوء کا بچا ہوا پانی محفوظ کیا تھا.

اور اگر بالفرض ہم مان بھی لیں کہ نبی کریم کی وفات کے بعد آپ کے وضوء کا بچا ہوا پانی کسی کے پاس تھا، لیکن اتنی صدیاں بیت جانے کے بعد تو اس پانی کا باقی رہنا ہی ممکن نہیں، اس لیے کہ مائع اِشیاء طبعی طور پر خشک ہو جاتی ہیں، اور بخارات بن کر اڑ جاتی ہیں، اور پھر جن کے پاس یہ مائع اور سائل اِشیاء ہوں ان کے استعمال کرنے سے ہی ختم ہو جاتی ہیں اور خاص کر جب یہ اِشیاء پانی و آثار نبویہ ہوں، کیونکہ جس کے پاس ہو وہ یہ پانی کسی دوسرے کو دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا.

اور اسی طرح نعلین مبارک کا عجائب گھروں کے مالکوں کا لوگوں کے سامنے پیش کرنا بھی صحیح نہیں، کیونکہ اوپر کی سطور میں بیان ہوا ہے کہ تیمور لنک کے حادثہ میں یہ ناپید ہو گئے تھے اور اس کے بعد ان کا ذکر تک نہیں ملتا (تو اتنی صدیوں کے بعد کہاں سے آ گئے) .

اور یہ بات معلوم شدہ ہے کہ چمڑے کی بقاء اور عمر کچھ وقت تک ہی ہوتی ہے، جیسا کہ آثار نبویہ کے مؤلف تیمور لنک نے الآثار النبویۃ صفحہ 126 میں چمڑے کو دباعت کے ساتھ صاف کرنے والے چند ایک ماہرین سے کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

نبی کریم کی طرف منسوب نعلین شریفین کے متعلق ماہرین کا قول ہے کہ: اگر وہ دباعت کیے بغیر کچے چمڑے سے بنائے گئے ہوں تو انہیں کیڑا لگ جائیگا، اور اگر وہ سبتی اور دباعت شدہ بال صاف کردہ چمڑے سے بنے ہوں تو بھی وہ خشک ہو کر پھٹ جاتے ہیں، اور اگر وہ

ولایتی چمڑے کے بھی بنے ہوں تو بھی خراب ہو کر پھٹ جاتے ہیں، لہٰذا اس دور تک نعلین شریفین کا باقی رہنا ممکن ہی نہیں، اور اگر کوئی ایسا دعوی کرتا ہے کہ اس کے پاس نعلین شریفین باقی ہیں تو عرف بھی اس دعوی کی تصدیق نہیں کرتا چہ جائیکہ شریعت.

ان آثار و تبرکات کے متعلق صرف ایک ہی بات کہی جاسکتی ہے کہ: جو تبرکات و آثار نبوی صحابہ کرام اور تابعین عظام اور ان کے بعد خلفاء و حکمران تک پہنچے تو انہوں نے ایک وقت تک اس کی حفاظت بھی کی اور خیال بھی رکھا، لیکن ان کے بعد حادثات و فتنوں کے دور میں یہ سب اشیاء ناپید ہو گئیں اور لوگوں میں اس کے متعلق سند بھی ختم ہو گئی، اور پہلے دور میں اس کی خبر تک نہ رہی، جو کہ ان آثار و متبرکات کی خاتمہ کی دلیل بھی ہے، اس سلسلہ میں تحقیق و سرچ کرنے والا شخص یقینی طور پر یہ دعوی کر سکتا ہے کہ ہمارے دور میں آثار اور تبرکات نبویہ کی موجودگی کا دعوی صحیح نہیں، بلکہ یہ جھوٹ و دھوکہ پر مبنی ہے، اور دلائل و براہین سے بھی خالی ہے.

محدث و فقیہ حماد بن اسحاق الازدی رحمہ اللہ اپنی کتاب (ترکۃ النبی ﷺ) میں بیان کیا ہے کہ: نبی کریم کی مرئی و حسی متروکہ اشیاء بہت ہی قلیل تھیں، اور اس کی دلیل میں بخاری شریف کی درج ذیل حدیث بھی بیان کی ہے:

عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: نبی کریم نے اپنی وفات کے وقت نہ تو کوئی درہم اور نہ ہی دینار اور نہ کوئی غلام و لونڈی ترکہ میں چھوڑی، صرف ایک سفید خچر اور اسلحہ و زمین کا ایک ٹکڑا وراثت میں چھوڑا اور اسے بھی صدقہ کر دیا تھا.

یہ حدیث آثار حسیہ کی قلّت پر صریح دلیل ہے، اور ترکہ نبوی کی قلّت کا یقین دلاتی ہے.

ذیل کی سطور میں ہم بطور خلاصہ دو نقاط بیان کرینگے جو دور حاضر میں آثار و تبرکات نبویہ کی موجودگی کا صرف دعوی ہی ہے اور اس کی کوئی دلیل نہیں ملتی:

شرعی اعتبار:

جس طرح احادیث نبویہ نبی کریمﷺ سے متصل و صحیح سند سے روایت کی جاتی ہیں اسی طرح ان محسوس و مرئی آثار و تبرکات کا ثبوت کسی صحیح و متصل سند سے ہونا ضروری ہے، کیونکہ ان آثار و تبرکات پر کچھ شرعی احکام و قواعد مرتب ہوتے ہیں ، جس طرح احادیث نبویہ کے قبول ہونے میں اتصال سند اور راوی کا ثقہ و عادل ہونا شرط ہے اس کے بغیر حدیث قابل قبول نہیں، بالکل اسی طرح مرئی آثار و تبرکات کے ثبوت کے لیے بھی یہی شروط ہیں، اور امت اسلامیہ کو سند کی ہی امتیازی حیثیت حاصل ہے اور اسی وجہ سے یہ امت اسناد کہلاتی ہے.

امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کے مقدمہ میں امام عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے: سند دین میں شامل ہے، اور اگر سند نہ ہوتی تو ہر کوئی جو کہنا چاہتا کہہ ڈالتا.

اخباری اعتبار:

ماہرین آثار کسی بھی ایسے مکشوف و کھلی فضا میں پائے جانے والے غیر محفوظ آثار قدیمہ کا اعتبار نہیں کرتے ، جسے منکشف ہونے کے بعد صحیح طریقہ سے محفوظ نہ کیا گیا ہو، اور ان آثار کی عمر معلوم کرنے کے لیے مختلف سائنسی مراحل سے گزارہ نہ گیا ہو.

اور یہ بھی معلوم شدہ بات ہے کہ مکشوف اور غیر محفوظ کھلی فضا میں پائے جانے والے آثار قدیمہ خاک آلودہ ہونے کی بناپر ان کی صحیح مدت کی نشاندہی کرنا ممکن ہی نہیں، ماہرین آثار قدیمہ کے ہاں جدید آلات کے ساتھ بھی یہ اندازہ لگانا بھی مشکل ہے کہ یہ کب کے ہیں، لیبارٹری میں ان اِشیاء کے ٹیسٹ کے لیے (Radiocarbon Dating) ریڈیو کاربن ڈیٹنگ مادہ استعمال کیا جاتا ہے، جسے کا کوڈ نام (C 14) ہے، آثار قدیمہ کی چانچ کے لیے ماہرین کے ہاں یہی جدید طریقہ ہے جس سے اس کی عمر کا تعین ہو سکتا ہے، اور ماہرین آثار قدیمہ کے خیال میں اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ صحیح نہیں.

لہٰذا ماہرین آثار قدیمہ کے ہاں اس وقت نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب آثار و تبرکات کی کوئی اہمیت نہیں اسے صحیح نہیں مانا جاتا، کیونکہ انہیں کسی بھی صحیح طریقہ سے محفوظ نہیں رکھا گیا، بلکہ اس کے برعکس یہ بالکل غیر محفوظ کھلی فضا میں رکھے ہوئے ہیں اور ہر کوئی اسے چھوتا اور اسے متبرک جان کر چومتا اور چھوتا پھرتا ہے.

لہٰذا اس بناپر ان آثار و تبرکات کے وجود کی نفی ہوتی ہے، اور نہ تو اس کا کوئی شرعی ثبوت ملتا ہے، اور نہ ہی جدید طریقوں و تقاضوں کے مطابق ان کے صحیح ہونے کی کوئی دلیل ملتی ہے، اس بناپر سرچ کرنے والے کے لیے ان آثار و تبرکات کی حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ ان کو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرنا بالکل صحیح نہیں اور یہ سب کچھ نقلی ہے.

اس مسئلہ میں علماء کرام اور محدثین و مؤرخین اور محققین کی سیر حاصل کلام معلوم کرنے کے لیے آپ کتاب کے صفحہ نمبر (83) کا مطالعہ ضرور کریں.

نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک سے منفصل و علیحدہ ہونے والے آثار و تبرکات کا حکم:

اوپر کی سطور میں بیان کردہ کلام کے بنا پر نبی کریم ﷺ کی جسد مبارک سے منفصل و علیحدہ ہونے والے آثار و تبرکات کو دو حالتوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

پہلی حالت:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام اور ان کے بعد تبع تابعین وغیرہ تک پہنچنے والے جن آثار و تبرکات کا یقینی طور پر نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب ہونا ثابت ہے ان آثار و تبرکات کو محفوظ رکھنا اور دیکھ بھال کرنا جائز ہے۔

کیونکہ نبی کریم ﷺ کے جسد مبارک سے منفصل ہونے والے آثار و تبرکات کو ایک خاص خصوصیت حاصل ہے، اللہ تعالی نے انہیں ذاتی و حسی برکت سے نواز رکھا تھا، لیکن آپ ﷺ کے علاوہ یہ خصوصیت کسی اور کو حاصل نہیں ہوگی۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ کی لعاب و تھوک اور آپ کے وضوء کے پانی سے صحابہ کرام کا برکت حاصل کرنا اور اسے محفوظ کرلینا، اور آپ کا انہیں ایسا کرنے سے منع نہ کرنا اس کے مشروع ہونے کی دلیل ہے، کہ آپ ﷺ کے جسد مبارک سے علیحدہ ہونے والی اشیاء کو آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی محفوظ کرنا مشروع ہے۔

لیکن یہاں ایک بہت ہی اہم چیز کی تنبیہ کرنا ضروری ہے کہ نبی کریم ﷺ کے آثار و تبرکات کو محفوظ کرنے کی مشروعیت پر قیاس کرتے ہوئے اولیاء کرام و صلحاء عظام کے آثار و تبرکات محفوظ کرنا اور اس سے حصول برکت بالکل جائز نہیں ہے، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول کریم ﷺ کے بعد اپنے میں سے کسی دوسرے افضل صحابی کے تبرکات و آثار سے تبرک حاصل نہیں کیا، چنانچہ اس طرح سب صحابہ کرام کا اجماع ہوا کہ اس میں نبی کریم ﷺ کو خصوصیت حاصل ہے، کوئی اور شامل نہیں ہو سکتا.

حافظ ابن رجب رحمہ اللہ نے مجموع الرسائل میں اس طرح رقمطراز ہیں:

" اور ایسے ہی آثار و تبرکات سے تبرک حاصل کرنا، اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کے آثار و تبرکات سے تو تبرک حاصل کرتے تھے، لیکن کبھی انہوں نے آپس میں ایسا نہیں کیا، اور نہ ہی تابعین عظام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی علو منزلت کے باوجود ان کے آثار و تبرکات سے کبھی تبرک حاصل کیا. دیکھیں مجموع الرسائل (1/252).

دوسری حالت:

ہمارے موجودہ دور میں جن تبرکات نبویہ کی موجودگی کا دعوی کیا جارہا ہے، ان کا صحیح ثابت کرنا ممکن ہی نہیں، بلکہ دلائل کے اعتبار سے ان کی نبی کریم ﷺ سے نسبت جھوٹ ہی نہیں بلکہ نقلی و جعلی ہے.

اس لیے ان اشیاء سے تبرک حاصل کرنا تو دور کی بات ہے، ان اشیاء کو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرنا ہی جائز نہیں، اور نہ ہی ان کا احیاء و دیکھ بھال اور انہیں محفوظ رکھنا جائز

ہے، بلکہ اس سلسلہ میں مسلمان شخص کے لیے ضروری اور واجب تو یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے ہر امور میں نبی کریم ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کے افعال واقوال کا احیاء کرتے ہوئے ان پر عمل پیرا ہو کر آثارِ نبویہ کی حفاظت کرے۔

مسلمان شخص کے شایان شان اور لائق بھی یہی ہے کہ وہ سنت نبویہ پر عمل پیرا ہو، جیسا کہ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حسی آثار و تبرکات سے تبرک حاصل کرنے کی بجائے احادیث پر عمل کرنے کی راہنمائی فرمائی تھی، جب نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو وضوء کا بچا ہوا پانی استعمال کرتے ہوئے پینے اور اپنے چہروں و سینوں اور سروں پر ملتے ہوئے ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے دیکھا تو رسول کریم ﷺ نے انہیں فرمایا:

اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ سبحانہ و تعالی اور اس کے رسول ﷺ تم سے محبت کریں تو تین خصلتیں اپناؤ اس پر مداومت کرو: بات چیت میں سچائی، امانت کی ادائیگی، اور پڑوسی کے ساتھ اچھائی۔ یہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔

علامہ شاطبیؒ رحمہ اللہ اپنی کتاب (الاعتصام) میں اس حدیث پر تعلیقا اس طرح رقمطراز ہیں: محسوس یہی ہوتا ہے (آثار نبویہ حسیہ سے تبرک حاصل کرنے کی بجائے) اسے ترک کرنا ہی اولی و بہتر ہے، انسان کو چاہیے کہ وہ اس سے بہتر مکلّف کردہ اشیاء تلاش کر کے اس پر عمل پیرا ہو۔ الاعتصام (1/485)۔

فتاوی اماراتیہ میں علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ اس حدیث کے متعلق کچھ اس طرح رقمطراز ہیں:

دیکھیں نبی کریم ﷺ نے ایک کم تر عمل پر کیسے لطیف طریقہ سے تنقید کر کے انہیں اس سے بہتر عمل کی تعلیم دی، نبی کریم ﷺ نے انہیں روکا نہیں (کہ تم ایسا کیوں کر رہے ہو) بلکہ ان کے سامنے ایک عظیم و بہتر اسلوب اختیار کرتے ہوئے افضل عمل کی راہنمائی فرمائی:

کس چیز نے تمہیں ایسا کرنے پر ابھارا؟ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جوابا عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول کی محبت نے، حالانکہ وہ اس میں بالکل سچے تھے، چنانچہ رسول کریم ﷺ نے انہیں فرمایا: یہ عمل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ تمہاری محبت کی دلیل نہیں، بلکہ محبت تو یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ جو امور اپنے رب کی جانب سے لائے ہیں تم ان پر کرو اور انہیں اپناؤ تو یہی محبت ہے.

فتاوی الامارات (76 :31).

آثار و تبرکات نبویہ سے تبرک حاصل کرنے کے جواز پر متنبہ کرنا ضروری ہے لیکن اس تبرک کے لیے چند ایک شروط ذیل میں بیان کی جاتی ہیں:

1 - اللہ کے ہاں شرعی طور پر مقبول ایمان کا ہونا: چنانچہ جو سچا و خالص مسلمان نہیں ہوگا اسے اللہ کی جانب سے اس تبرک پر کوئی خیر و فائدہ حاصل نہیں ہوگا.

2 - آثار و تبرکات نبویہ کا یقینی طور پر ثابت ہونا: یہ بات معلوم شدہ ہے کہ آپ ﷺ کا لباس، یا بال یا انگوٹھی، یا لاٹھی وغیرہ یہ سب اشیاء مفقود و ناپید ہو چکی ہیں، ان کا اس وقت کوئی وجود نہیں، اور کسی شخص کے لیے بھی ان اشیاء میں سے کسی ایک کو بھی یقینی طور پر ثابت کرنا ممکن ہی نہیں ہے.

اگر اس سلسلہ میں معاملہ ایسا ہی ہے تو پھر ہمارے دور میں ان آثار و تبرکات سے تبرک حاصل کرنا مستحیل و ناممکن ہے.

مندرجہ بالا کلام کی روشنی میں ہم ذیل کی سطور میں نبی کریمﷺ کی طرف منسوب مرئی و حسی اشیاء مثلا بال، چادر، نعلین، پگڑی، پیالہ، لاٹھی... وغیرہ کے متعلق مسلمان کے لیے شرعی موقف کا خلاصہ بیان کرینگے:

اول: مسلمان یہ اعتقاد رکھے کہ نبی کریمﷺ نے اپنی وفات کے بعد جو اشیاء چھوڑی تھیں احادیث صحیحہ کے مطابق وہ بہت ہی قلیل سی تھیں، اور اس کے علم میں یہ بھی ہونا ضروری ہے کہ آپﷺ نے جو اشیاء چھوڑی تھیں انہیں کچھ امور بھی لاحق ہوئے مثلا:

1 - دفن اور ختم ہونا؛ اس لیے کہ جس کے پاس بھی کوئی تبرکات نبویہ تھی وہ اس نے اپنے لیے رکھی تھی، چنانچہ غالبا وہ جس کے پاس تھی اس نے استعمال کرلی، یا پھر وصیت کی کہ وہ اس چیز کو اس کی موت کے بعد اس کے ساتھ دفن کردیں، یا اس میں کفن دے دیں.

2 - امت اسلامیہ پر جو مصائب و حادثات اور جنگ و جدل اور فتنے مسلط ہوئے اس کی وجہ سے ان اشیاء کا گم ہوجانا یا پھر ضائع و تلف ہوجانا.

دوم: موجودہ دور میں مسلمان شخص کو مرئی و حسی آثار و تبرکات نبویہ کی موجودگی کا دعوی اس وقت تک قبول نہیں کرنا چاہیے، جب تک اس دعوی کی کوئی دلیل و برہان نہ ہو، کیونکہ مرئی و محسوس آثار و تبرکات کے ثبوت کے لیے متصل و صحیح سند کا ہونا ضروری ہے، تاکہ اس چیز کی نبی کریم ﷺ کی طرف نسبت اسی طرح ثابت ہو سکے جس طرح احادیث نبویہ کی ہوتی ہے۔

خلاصہ:

- ہمارے دور میں نبی کریم ﷺ کے جسد مبارک سے منفصل آثار و تبرکات کا دعوی ایسا دعوی ہے جس کی کوئی دلیل و برہان نہیں، اس لیے انہیں جعلی و نقلی آثار و تبرکات سے تعبیر کیا جائیگا۔

- نبی کریم ﷺ کے جسد مبارک سے منفصل یا متصل آثار و تبرکات سے مشروع تبرک حاصل کرنا صرف دور نبوی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور پھر ان کے بعد کچھ عرصہ تک جن کے پاس یہ تبرکات وآثار تھے صرف انہی کو یہ خصوصیت حاصل تھی، لیکن اس کے بعد صدیاں بیت جانے کے بعد یہ سب کچھ ختم ہو گیا، اور جب ان آثار و تبرکات سے بعد والے تبرک حاصل نہیں کر سکے تو ان کے لیے نبی کریم

ﷺ سے ثابت شدہ صحیح احادیث پر عمل کر کے آپ کے طریقہ پر چل کر آپ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اور منہیات سے رکتے ہوئے تبرک حاصل کرنا ممکن ہے.

نبی کریم ﷺ کے جسد مبارک سے منفصل آثار و تبرکات کے متعلق شبہات کا مطالعہ کرنے کے لیے آپ موبائل کیمرہ کے ذریعہ اس بار کوڈ کو دیکھیں.

3 - نبوی مقامات و جگہیں:

کتاب لسان العرب کے مطابق لغت عرب میں مقام ہر اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کسی بھی وجہ وسبب سے انسان کھڑا ہوا یا بیٹھا ہو.

اصطلاح میں مقامات نبویہ سے وہ جگہیں مراد ہیں جن کے متعلق وارد ہے کہ آپ اس جگہ رکے اور پڑاؤ کیا یا اس جگہ کا بغیر کسی قصد کے سفر کیا.

میں یہاں ایک چیز پر متنبہ کرنا ضروری سمجھتی ہوں کہ میں بطور مثال جن مقامات و جگہوں کا ذکر کرونگی کہ وہاں رسول کریم ﷺ بغیر کسی قصد و ارادہ کے گئے، اس کا ذکر ان لوگوں سے بطور حکایت بیان ہوا ہے جو وہاں جاتے اور انہوں نے اس کا نام بھی رکھ دیا، نہ کہ اس جگہ کی فضیلت کا اقرار و رضا، یا پھر وہاں جانے کی ترغیب اور

اس مقام کا اہتمام کرنے کے لیے نہیں، یہ اصطلاح لوگوں میں مشہور ہو چکی ہے، جیسا کہ اہل علم نے اپنی کتب میں ان جگہوں پر جانے اور وہاں کی زیارت کا شرعی حکم بیان کرنے کے لیے بیان کیا، نہ کہ اس جگہ کی فضیلت و امتیاز و خصوصیت کی وجہ سے.

مقامات النبویہ کی مثال: یہ جگہیں دو حالتوں سے خالی نہیں:

1 - وہ آثار مکانی جن کا ذکر قرآن مجید یا پھر احادیث نبویہ میں ذکر ہوا ہے:

ا— وہ آثار و جگہیں جو اب تک باقی اور ثابت ہیں: مثلا جبل احد، جبل ثور، جبل حراء، جبل رماۃ، مسجد الخیف، مسجد مزدلفہ، مسجد الجعرانہ.

ب — وہ آثار و مقامات جو ختم ہو چکے ہیں اور اس وقت موجود نہیں: مثلا: منبر، عتبان بن مالک الانصاری رضی اللہ عنہ کا گھر، بئر حاء، بئر اریس جو کہ بئر خاتم کے نام سے معروف ہے،، بئر بضاعۃ، دار ارقم بن ارقم، مسجد ارقم، غار مرسلات، مسجد جن.

2 — وہ آثار مکانی جو ثابت نہیں اور ان کے متعلق اخبار منقطع ہو چکی ہیں، اور ان کے نشانات کچھ عرصہ تک مخفی رہے، پھر کئی صدیاں بیت جانے کے بعد ان کا احیاء کر دیا گیا، اور بعد والے دور میں انہیں دوبارہ تعمیر کر کے اب ان کی موجودگی کا دعوی کیا جا رہا ہے، مثلا: مولد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، مسجد البیعۃ (بیعت والی مسجد) سبع

مساجد، مسجد یا موقف الکوع، بئر غرس، مبرک الناقۃ(اونٹنی بیٹھے کی جگہ) مصر، بیت المقدس، قسطنطنیہ اور طائف وغیرہ میں نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب پاؤں کا نشان، وقتاً فوقتاً لوگ مختلف جگہوں پر اب تک اس نشان کی موجودگی کی ترویج کر رہے ہیں.

ان آثار کی تعیین تک ثابت نہیں، بلکہ یہ تاریخی جھوٹ ہے جس کا خاتمہ ضروری ہے، اور اس بہتان کو واضح کرنے اور لوگوں سے اسے دور کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ جھوٹ و بہتان ہے.

یہاں ایک چیز کی تنبیہ کرنا ضروری ہے کہ: ان باقی ماندہ اور موجودہ اماکن و جگہوں پر قصداً جانا مشروع نہیں، اور نہ ہی یہاں نماز اور دوسری عبادات کے ذریعہ تبرک حاصل کرنا جائز ہے، یہ جگہیں بھی باقی (عام) جگہوں جیسی ہی ہیں، انہیں کوئی خصوصیت وفضیلت حاصل نہیں، اس کی تفصیل ذیل کی سطور میں پیش کی جاتی ہے:

1 – مساجد: یہ دو قسم کی ہیں:

ا: وہ مساجد جن کا ذکر احادیث میں آیا ہے، اور شریعت اسلامیہ نے ان کی فضیلت بیان کی ہے، وہ صرف چار مسجدیں ہیں: مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصی، مسجد قباء.

ب : وہ مساجد جن ثبوت نہیں ملتا اور نہ ہی شریعت اسلامیہ نے ان کی کوئی خصوصیت وفضیلت بیان کی ہے: یہ وہ جگہیں ہیں جہاں رسول کریم ﷺ نے بغیر کسی قصد کے نماز ادا فرمائی، چنانچہ ان جگہوں کا احیاء مشروع نہیں، اور نہ اس جگہ مسجد بنانا مشروع ہے اور نہ ہی ان جگہوں کو عبادت کے لیے خاص کرنا چاہیے؛ کیونکہ مساجد کی تعمیر کا مقصد لوگوں کو نماز و عبادت کے لیے جمع کرنا ہے جو کہ شرعی مقاصد میں شامل ہوتا ہے، لیکن ایک ہی جگہ قریب قریب مساجد کا وجود مثلا سبعہ مساجد (خندق والی جگہ) سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا، بلکہ یہ توافتراق کا پیش خیمہ ہے جو کہ شریعت کے مقاصد کے ہی منافی ہے، اور پھر سبع مساجد کی تعمیر لوگوں کو جمع کرنے کی غرض سے نہیں بلکہ وہاں نماز و دعاء کے ذریعہ تبرک حاصل کرنے کے لیے بنائی گئی ہیں، جو کہ واضح طور پر بدعت ہے.

2 – پہاڑ اور غاریں: یہ ان معالم ونشانات میں شامل ہوتے ہیں جو ہمارے دور تک باقی ہیں، لیکن جبل احد کے علاوہ کسی کو کوئی فضیلت حاصل نہیں، صرف جبل احد کی فضیلت احادیث نبویہ سے ثابت ہوتی ہے، لیکن اس کے باوجود کوئی ایسی حدیث اور اثر نہیں ملتا جو جبل احد کی شرعی زیارت کی ترغیب دلاتا ہو، ان جگہوں کو بطور عبادت مقدس سمجھنا اور ان کی تقدیس کرنا جائز نہیں، اور نہ ہی ان پر چڑھنا جائز ہے؛ اور نہ ہی ان جگہوں سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے، اور حج و

عبادت کا ان جگہوں سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ تو صرف جغرافیائی نشانات و معالم میں شامل ہوتے ہیں.

3 – گھر وراستے اور پلاٹ: وہ جگہیں جہاں نبی کریم ﷺ چلے، یا جن مقامات پر آپ بیٹھے، یا وہاں راہ چلتے بغیر کسی قصد کے کچھ وقت کے لیے ٹھرے، ان جگہوں کو بھی کوئی خصوصیت حاصل نہیں، اور نہ کسی قسم کی شرعی فضیلت حاصل ہے، اور ان جگہوں کو دیکھنے اور زیارت کرنے پر کوئی اجر وثواب حاصل نہیں ہوتا، ان جگہوں کو باقی جگہوں سے کوئی امتیازی حیثیت بھی حاصل نہیں، نہ توان جگہوں کی دیکھ بھال واحیاء جائز ہے، اور نہ ہی یہاں کی شرعی زیارت، بلکہ یہ اماکن بھی باقی جگہوں کی طرح ہی ہیں.

4 – کنویں اور چشمے: کچھ کنویں تو احادیث نبویہ سے ثابت ہیں، لیکن اس کے باوجود انہیں کوئی شرعی خصوصیت حاصل نہیں، حتی کہ اگر کسی کنویں کا احیاء بھی کر لیا جائے تو وہ پھر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر ختم ہو جائیگا؛اور ان کنووں سے پانی پینے کی بھی کوئی فضیلت نہیں، اور نہ ہی انہیں کوئی امتیازی حیثیت حاصل ہے، بلکہ یہ بھی باقی کنووں کی طرح ہی ہیں.

آثار و مقامات نبویہ کا اہتمام و احیاء کرنے والے متاخرین افراد نے ان جگہوں کے نام کے ساتھ نبویہ کا لاحقہ دے دیا ہے، حالانکہ ان جگہوں پر نبی کریم ﷺ قصدا

نہیں گئے بلکہ راہ چلتے ہوئے یہاں رکے یا پھر کچھ لمحہ بھر کے لیے آرام فرمایا، لوگوں نے ان جگہوں پر بھی مساجد بناڈالیں، حالانکہ یہاں مسجد کی کوئی ضرورت نہ تھی لیکن صرف اس لیے بنائی کہ یہاں نبی کریم ﷺ نے نماز ادا فرمائی ہے، اور اسے مسجد نبوی کا نام بھی دے ڈالا، اور اس میں نماز ادا کرنے کی فضیلت کا اعتقاد بنا لیا، اسی طرح کچھ کنووں کو بھی بئر نبویہ کا نام دے دیا؛ کیونکہ یہاں سے نبی کریم ﷺ نے پانی نوش فرمایا، یا وضوء کیا، یا اس کی منڈھیر پر بیٹھے، یہ سب نام صحیح نہیں کیونکہ سلف امت سے ایسا کچھ نہیں ملتا.

رہا ان مقامات و جگہوں کے احیاء کا مسئلہ جہاں نبی کریم ﷺ قصدا تشریف لے گئے، اور سیرتِ نبویہ والی جگہوں کی تعلیم و تعلم کی غرض سے، اور واقعہ کو سمجھنے کے لیے علمی غرض سے ان جگہوں کو دیکھنا جن پر احکام شرعی مرتب ہوتے ہیں تو ان جگہوں کا احیاء شرعا مطلوب ہے، یعنی انہیں دیکھنا اور علمی طور پر ان کا احیاء صحیح ہے.

اس لیے جس جگہ نبی کریم ﷺ قصدًا گئے اور جہاں بغیر کسی قصد گئے ان میں فرق کرنا ضروری ہے، جن جگہوں پر نبی کریم ﷺ بطور تقرب و نماز و دعاء کے لیے گئے ان کی معرفت تو علماء کرام کا طریق و مسلک ہے، جنہوں نے سیرت لکھی اور احادیث جمع کیں اور تحریر کیں، اور صحابہ کرام سے حاصل کردہ علم کتب میں تحریر کیا؛ کیونکہ ان اماکن پر احکام شرعیہ مرتب ہوتے ہیں، مثلا:

حدود حرم، اور مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نماز کی فضیلت، بئر بضاعة اور اس کے پانی کی طہارت کا تعلق، منی و عرفات اور مزدلفہ کی حدود وغیرہ.

جن مقامات و جگھوں پر نبی کریم بغیر کسی قصد کے اتفاقاً چلے، یا وہاں ٹھرے، یا وہاں نماز ادا فرمائی، اس میں حسب مراد تفصیل بیان ہوگی:

1 – کچھ لوگ تو صرف اسے دیکھنے اور سیر و تفریح کے لیے جاتے ہیں.

2 – اور کچھ لوگ وہاں بطور تبرک اور عبادت کی غرض سے جاتے ہیں.

یہ دوسرا مقصد یعنی بطور عبادت اور تقرب جانا مشروع و جائز نہیں ہے.

آثار و مقامات نبویہ کی تلاش اور وہاں جاکر عبادت کرنے کو سب سے پہلے روکنے والی شخصیت خلیفہ راشد امیر المومنین عمر بن خطاب ﷺ تھے،، ان کے بعد آئمہ سلف ہر دور میں آثار نبویہ کے پاس جاکر عبادت کرنے اور ان کی زیارت کو ناپسند قرار دیتے رہے.

یہ ممانعت تحریمی ہے اس کی تفصیل آپ اصل کتاب کے صفحہ (105 -110) پر آئمہ کا ممنوعہ آثار کے احیاء کی حرمت کے متعلقہ اقوال دیکھ سکتے ہیں.

رہا مسئلہ ان آثار و مقامات کی زیارت کا جو ثابت شدہ ہیں اور نبی کریم ﷺ وہاں بغیر قصد کے سر راہ گزرے نہ کہ عبادت کے لیے تو ان

جگہوں کو دیکھنے اور اس کا مشاہدہ کرنے اور سیر و تفریح کرنے کی غرض سے جانے کے متعلق: ظاہر تو یہی ہوتا ہے اور راجح یہی ہے کہ کچھ قواعد و ضوابط اور شروط کے ساتھ یہاں جانا جائز ہے، جب تک محذور امور سے اجتناب کیا جائے، کیونکہ افعالِ غیر متعبدہ میں اصل جواز ہے، کیونکہ ان جگہوں کی زیارت سے ممانعت کی کوئی دلیل نہیں ملتی، اور نہ ہی کوئی ایسی دلیل ملتی ہے جو اس کے احیاء کی ترغیب دیتی ہو، کیونکہ یہ زیارت دنیاوی ہے دینی نہیں، واللہ تعالی اعلم.

لیکن ان اماکن کا نبی ﷺ سے تعلق ہونے کی بنا پر بغیر کسی شعور کے ہی زائر کا مقصد اس جگہ کی فضیلت کے اعتقاد میں بدل سکتا ہے، اور اس جگہ کی ہیبت بیٹھ سکتی ہے جو کہ بلاشک شیطان کی چال ہے.

ان جگہوں کی زیارت کا جواز کچھ شروط و ضوابط سے مشروط ہے،ان جگہوں پر جانے والے زائر کو درج ذیل شروط کو اختیار کرنا ضروری ہے:

1 – یہاں جانے کے لیے شد الرحال یعنی سفر نہ کیا جائے.

2 – اسے میلہ گاہ نہ بنالیا جائے، اور مستقل طور پر بار بار نہ جائے، اور نہ ہی مکررہ اوقات میں پابندی کے ساتھ جایا جائے.

3 – جہاں نبی کریم ﷺ نے اچانک اور راہ جاتے ہوئے نماز ادا کی ہے ان جگہوں اور مساجد کی زیارت کے لیے قصداً مت جائے۔

4 – ان جگہوں پر ان ایام و تاریخ میں مت جائے جس دن و تاریخ وہاں وہ معرکہ و حادثہ اور واقعہ پیش آیا تھا؛ کیونکہ ایسا کرنے سے اسے زمنی و مکانی میلہ بنانے کا ذریعہ بننے کا خدشہ ہے۔

5 – زائر کا ان آثار کے ساتھ دلی تعلق پیدا نہ ہو، اور نہ ہی اس جگہ کی عظمت کا شعور رکھے۔

6 – اس جگہ میں آثار نبی ﷺ کی موجودگی کا اعتقاد نہ رکھے۔

7 – فتنہ وخرابی سے امن ہو، کہ وہاں شرکیہ اور حرام امور والے اعمال نہ ہوں، یا پھر اہل بدعت کے مخصوص ایام میں زیارت نہ ہو، اس لیے کہ اہل بدعت کے ساتھ شامل ہونا جائز نہیں؛ اگر ایسا کرتا ہے تو بدعتی لوگ اسے بھی اپنا ساتھی ہی گمان کرینگے اور ان کی تعداد میں اضافہ کا باعث ہوگا، لیکن اگر وہ وہاں انہیں وعظ و نصیحت کرنے کی غرض سے جائے تو کوئی حرج نہیں۔

علامہ صالح الفوزان حفظ اللہ نے اپنی کتاب "التعلیق القویم علی کتاب اقتضاء الصراط المستقیم صفحہ (4/1630) میں عبرت کے لیے مقامات نبویہ کی زیارت کرنے کے متعلق کچھ اسطرح لکھا ہے:

" لیکن اگر ان مقامات کو نصیحت و عبرت کے حصول کے لیے دیکھا جائے اور وہاں تبرک حاصل نہ کرے، یا پھر وہاں سے نفع و نقصان کا اعتقاد نہ رکھے تو اس لیے جا سکتا ہے، لیکن اس میں بھی محدود اوقات میں ہمیشہ وہاں جانے کی عادت نہ بنائے اور نہ ہی وہاں سے نفع و نقصان کا اعتقاد رکھے، وگرنہ دوسری صورت میں وہ جگہ مقدس بن جائیگی، وہ اس طرح کہ ان اماکن کے لیے نگران رکھ لیے جائیں اور ان کے نشانات بنا دیے جائیں جو کہ جائز نہیں؛ کیونکہ یہ امور تو ان جگہوں کی تعظیم اور ان کے نفع و نقصان کے اعتقاد کا باعث بن جائیگے، ان آثار میں سے اگر کوئی باقی بھی رہ جائے تو اسے اپنی حالت میں ہی رہنے دیا جائے، صرف اسے باعث عبرت و نصیحت کے ہی دیکھنا ہی جائز ہے، نہ کہ ان جگہوں اور جن سے منسوب ہے ان سے تبرک و نفع اور ان سے مدد مانگی جائے " انتہی

مسلمان کے لیے افضل و بہتر تو یہی ہے کہ وہ ان جگہوں پر قصداً و اراداتاًمت جائے ہاں راہ چلتے ہوئے اگر راستے میں آجائیں تو دیکھ لینا اور بات ہے.

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب " اقتضاء الصراط المستقیم (1/268) میں بہت اچھی بات کہی ہے: کیا آپ کے خیال میں انبیاء و صدیقین و شہداء و صالحین کے آثار و مسکن کو دیکھنے کی بجائے ان کی اتباع و پیروی کرنا زیادہ فائدہ مند اور بہتر نہیں .

خلاصہ :

- ہمیں نبی کریم ﷺ کی تعظیم اور ان سے محبت اور ان کی اتباع و پیروی کرنے اور ان کی سنت کے احیاء کا حکم دیا گیا ہے، اس کا حکم نہیں کہ ہم نبی کریم کے آثار اور آپ کے متعلقہ جگہوں اور مقامات کی تعظیم کریں جہاں پر بغیر کسی قصد کے راہ چلتے ہوئے آپ نے قیام کیا اور ٹھرے،، اور نہ ہی شریعت میں انہیں کوئی امتیازی حیثیت و خصوصیت تک حاصل نہیں.

- مسلمان کے لیے ضروری ہے نبی کریم کی اتباع و پیروی کرتے ہوئے عبادات میں انہی امور کا خیال رکھےاور اسی طرح عبادات بجالائے جس طرح شریعت اسلامیہ نے بتائی ہیں، اور محبت و تعظیم کی دلیل دے کر ان عبادات میں کسی بھی قسم کام کا مبالغہ و تبدیلی کر کے مشروع امور سے دور مت ہو جائے.

نبی کریم ﷺ جن مقامات و جگہوں پر بغیر کسی قصد و ارادہ کے راہ چلتے ہوئے گئے اور ٹھرے اور شریعت میں ان کو کوئی خصوصیت تک حاصل نہیں ہے وہاں قصدا ارادے سے بطور تعبد و تقرب جانا مشروع نہیں ہے.

آثار و مقامات نبویہ کے متعلقہ شبہات اور ان کا رد معلوم کرنے کے لیے آپ موبائل کیمرہ کے ساتھ اس بار کوڈ کو دیکھیں.

تباہ شدہ امتوں کے آثار

آدم علیہ السلام سے لیکر نوح علیہ السلام تک سب لوگ توحید خالص پر قائم تھے، پھر دس صدیاں گزرنے کے بعد ان میں شرک پیدا ہوا جیسا کہ درج ذیل حدیث میں بیان ہوا ہے:

نبی کریم ﷺ کا فرمان ذی شان ہے: آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے مابین دس صدیاں تھیں"

اور ایک روایت میں یہ ہے:

" سب کے سب شریعت حق پر قائم تھے، اور جب انہوں نے اختلاف کیا تو اللہ سبحانہ و تعالی نے انبیاء و رسول مبعوث فرمائے، اور اپنی کتاب نازل فرمائی تو وہ ایک امت بن گئے "

چنانچہ اللہ سبحانہ و تعالی نے خوشبریاں دینے اور ڈارنے والے انبیاء مبعوث کیے جو ایک اللہ وحدلاشریک کی عبادت کی دعوت دیتے اور اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی عبادت سے روکتے رہے، جتنے انبیاء بھی مبعوث ہوئے سب کا یہی قول تھا:

﴿اے میری قوم صرف اللہ سبحانہ وتعالی کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی اور الہ و معبود نہیں ہے﴾ الاعراف (59). یہاں اعبدوا کا معنی وحدوا یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا ہے.

قرآن مجید میں سابقہ امتوں کے اپنے انبیاء کے ساتھ واقعات و قصے اور حالات بیان ہوئے، جس میں بیان ہوا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالی نے اپنے انبیاء و رسل اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو نجات عطا فرمائی اور انبیاء و رسل کی تکذیب کرنے والوں کو ہلاک کر دیا.

ان سابقہ امتوں میں ایک ایسی امت بھی ہے جس نے اپنے نبی کی دعوت مان کر ایمان قبول کیا تو اللہ سبحانہ و تعالی نے ان پر نازل شدہ عذاب ختم کر دیا، جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالی نے یونس علیہ السلام کی قوم کے متعلق فرمایا:

﴿چنانچہ کوئی اہل بستی ایمان نہ لائے کہ ان کا ایمان لانا ان کو نافع ہوتا سوائے قوم یونس (علیہ السلام) کے جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے رسوائی کے عذاب کو دنیوی زندگی میں ان سے ٹال دیا، اور ان کو ایک وقت (خاص) تک کے لیے زندگی سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا﴾ یونس (98).

اور امتوں میں ایسی امت بھی گزری ہے جس نے اپنے نبی کی دعوت کو جھٹلایا تو اس کا انجام تباہی و بربادی و ہلاکت ٹھرا.

سابقہ امتوں کے آثار و نشانات سے مراد پہلی امتوں کے باقی ماندہ مرئی نشانات وآثار قدیمہ ہیں.

ان آثار قدیمہ کے متعلق دو قسم میں کلام کی جاسکتی ہے:

پہلی قسم: ظاہری آثار مثلا قوم عاد و ثمود اور مدین کا علاقہ اور ان کے گھر.

دوسری قسم: زمین میں دفن شدہ آثار: مثلا سفینہ نوح علیہ السلام، اور زمین کے نیچے دفن شدہ قوم لوط کی بستی.

اللہ سبحانہ وتعالی نے سب سے پہلے قوم نوح کو تباہ کیا، پھر ھود علیہ السلام کی قوم عاد اور پھر صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کو، پھر قوم لوط اور پھر قوم شعیب اہل مدین کو، اس طرح ان کے بعد والی امتوں کو، یہ تو وہ امتیں ہیں جن کو جڑ سے ہی ختم کر کے تباہ وبرباد کر دیا گیا، جنہوں نے اپنے رب کی بات تسلیم نہ کی اوراللہ کے حکم کی نافرمانی کر کے اپنے انبیاء کو جھٹلایا.

چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالی نے دنیا میں ہی انہیں سزا وعذاب دیا، اوران کے لیے جو کچھ آخرت میں جمع کر رکھا ہے وہ اس سے بھی شدید و سخت ہے، جو انہیں موت آنے سے قبل ملا تھا، اللہ سبحانہ وتعالی سلامتی وعافیت سے نوازے.

انبیاء کرام کا اپنی قوموں سے جو واسطہ پڑا اور جو کچھ ہوا قرآن مجید اسے مکمل طور بیان کرتا ہے، اور احادیث نبویہ صحیحہ بھی اس کا احاطہ کرتی ہیں.

قرآن مجید تباہ شدہ پہلی امتوں کے واقعات و تباہی کو کئی طرح بیان کرتا ہے تا کہ ہم لوگ اس سے عبرت حاصل کر کے ان امور سے اجتناب کریں جس کی بنا پر انہیں تباہ و برباد کر دیا گیا اور انہیں عذاب سے دوچار ہونا پڑا.

پہلی امتوں کی تباہی و بربادی کا سبب صرف یہی تھا کہ انہوں نے شرک کا ارتکاب کیا اور توحید الہی کا انکار کر کے کفر کا مرتکب ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ کے رسولوں کی بھی تکذیب کی، اور جرائم و معاصی کر کے سرکشی کے مرتکب ٹھرے جس وجہ سے اللہ نے ان کے لیے آخرت میں جہنم کی آگ تیار کر رکھی ہے.

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مجموع الفتاوی (16/249-250) میں کہتے ہیں:

قوم لوط میں شرک کے ساتھ ساتھ ایسی فحاشی بھی شامل تھی جو پہلے کسی قوم میں نہیں پائی جاتی تھی، اور قوم عاد میں شرک کے ساتھ ساتھ تکبر و تجبر اور دنیاوی مال و دولت میں توسع اور اپنی طاقت پر گھمنڈ بھی وہ کہا کرتے تھے:

﴿ہم سے زیادہ طاقتور کون ہو سکتا ہے﴾ فصلت (15).

اور اہل مدین میں شرک کے ساتھ ساتھ مالی ظلم بھی شامل تھا...

ہر امت کو اس کے گناہوں اور جرائم کے حساب سے عذاب دیا گیا، قوم عاد کو شدید قسم کی آندھی و ہوا کا عذاب دیا گیا جس کے سامنے کوئی بھی چیز نہ ٹھر سکی، اور قوم لوط کو ایسی قسم کا عذاب دیا گیا جو اس کے علاوہ کسی دوسری امت کو نہیں دیا گیا، چنانچہ انہیں آسمان سے پتھروں کی بارش کر کے تباہ و برباد کر کے رکھ دیا، ان کی آنکھیں مٹا دی گئیں، اور ان کی بستی کو ان پر ہی الٹا دیا گیا کہ اوپر والا حصہ نیچے اور نیچے والا اوپر کر دیا گیا، اور زمین میں دھنسا کر تباہ کر دیا گیا.

اور قوم شعیب کو آگ کا عذاب دیا گیا جس نے انہیں اور ظلم و ستم کر کے ان کے کمائے ہوئے اموال کو بھی جلا کر راکھ کر دیا.

اور ثمودیوں کو ایک چنگاڑ نے تباہ کر دیا جس سے وہ فوری طور پر موت کا شکار ہو گئے اس قوم کا شرک کے ساتھ ساتھ اللہ کی نشانی اونٹنی کو ہلاک کرنے کے جرم میں یہ عذاب تھا، تو پھر جو شخص اللہ کی حرمتوں کا پاس نہ رکھے، حرام کاموں کا ارتکاب کرے، اور اللہ کے احکام و نواہی کو ہلکا لے، اللہ کے بندوں کو قتل کر کے مسلمانوں کا خون بہائے تو اسے اس سے بھی شدید عذاب ہو گا.

جو کوئی بھی دور قدیم اور جدید دنیاوی حالات کا اعتبار کرے، اور زمین میں فساد اور ناحق خون خرابہ کرنے والوں، اور فتنہ و فساد کرنے کے ساتھ اللہ کی حرمتوں کو

پامال کرنے والوں کو دی جانے والی سزاؤں کو دیکھے تو اسے علم ہو گا کہ دنیا و آخرت میں مومن اور متقی افراد کو ہی نجات حاصل ہو گی دوسرے کسی کو نہیں.

اللہ تعالی کی جانب سے تباہ و برباد کردہ امتیں:

1 ۔قومِ نوح علیہ السلام:

امتوں میں سے سب سے پہلی تباہ کرد قوم قومِ نوح علیہ السلام ہے، اس قوم کو شرک کی بناپر تباہ کیا گیا ، قومِ نوح میں شرک کی ابتدا آثار صالحین کے احیاء سے شروع ہوا تھا، ابتدا میں انہوں نے جہالت اور خواہشات کی پیروی میں صالحین کے آثار کا احیاء بطور یاد کیا تا کہ انہیں دیکھ کر اعمال صالح کریں، اور پھر اس میں غلو کرتے ہوئے ان کی عبادت ہی کرنا شروع کر دی، یہی مقصد مسلمان شخص کو بتدریج دنیا و آخرت کی تباہی کی طرف لے جاتا ہے؛ کیونکہ ابلیس اور اس کے شیطانی چیلے مسلمان کی کمزوری کے لمحات کو موقع غنیمت جان کر انہیں یاد دہانی کے لیے بڑی بڑی تصاویر بنا کر محفوظ کرواتے ہیں، اور پھر مختلف طریقوں سے کسی واضح اور کھلی جگہ پر لگوادیتے، پھر وقت گزرنے کے ساتھ یہ مجسموں کی شکل اختیار کر کے لوگوں کے دلوں میں محبت اختیار کر لیتی ہے، جب بھی اسے دیکھیں تو ان افراد کی یاد آئے، اور پھر شیطانی چیلے سب چھوٹے بڑے افراد کے دلوں میں ان کی محبت و تعظیم ڈال کر انہیں مقدس بنا دیتے ہیں، اور اس سے بھی آگے چل کر ان

مجسموں و تصاویر کے سامنے کھڑے ہو انہیں مخاطب کرتے اور ان سے اپنے احوال بیان کرتے ہیں کہ یہ ان کی سنتے اور انہیں سب احوال کی خبریں مل جاتی ہیں، اور اس کے بعد ایک قدم آگے یہ ہوتا ہے کہ انہیں پکارا جانے لگتا ہے، اور ان سے تبرک حاصل کیا جانے لگتا ہے، پھر ان پر چڑھاوے چڑھنے لگتے ہیں، اور وہ کچھ کیا جاتا ہے جو غیر اللہ کے لیے جائز نہیں.

یہ معلوم ہونا چاہیے کہ آگ ایک چنگاری سے ہی لگتی ہے، اس لیے ایک ذہین و فطین مسلمان شخص کو شرک کے وسائل سے متنبہ رہنا چاہیےاور اس میں کسی بھی قسم کی سستی کاہلی نہیں کرنی چاہیے.

احیاءِ آثار صالحین ہی وہ دروازہ تھا جس سے شیطان نے قومِ نوح کو گمراہ کیا اور روئے زمین پر سب سے پہلا شرک شروع ہوا، چنانچہ جب قوم نوح نے نوح علیہ السلام کو جھٹلایا اور تکبر کرتے ہوئے اپنے رب کی مخالفت کی تو اللہ سبحانہ وتعالی نے انہیں طوفان کے ساتھ تباہ وبرباد کردیا.

فرمان باری تعالی ہے:

﴿اور نوح علیہ السلام کی طرف وحی کی گئی کہ تیری قوم میں سے جو ایمان لا چکے ان کے سوااور کوئی اب ایمان نہیں لائے گا ہی نہیں، تو آپ ان کے کاموں پر غمگیں نہ ہوں، اور ایک کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے، اور ہماری وحی سے تیار کرو، اور

ظالموں کے بارے ہم سے کوئی بات چیت نہ کرو، یقینا انہیں غرق کر دیا جائیگا، وہ (نوح علیہ السلام) کشتی بنانے لگے، اور جب بھی ان کے قوم کے سرداران کے پاس سے گزرتے وہ ان کا مذاق اڑاتے، انہوں نے فرمایا اگر تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو ایک دن ہم بھی تم پر ایک دن ہنسیں گے، جیسے تم ہم پر ہنستے ہو ﴾سورۃ ھود (36-38).

مؤرخین اور بعض مفسرین نے اللہ کے حکم سے تیار کردہ کشتی کے متعلق بیان کیا ہے کہ سفینہ نوح کی نظیر نہیں ملتی اس سے قبل بھی اتنی عظیم کشتی تیار نہیں ہوئی اور نہ ہی بعد میں تیار ہو گی؛ کیونکہ یہ سفینہ نوح معجزہ نبویہ ہے، کچھ عرصہ تک یہ محفوظ رکھی گئی تاکہ رسولوں کو جھٹلانے والی قوموں کے لیے نشانی رہے.

سفینہ نوح کا باقی رہنا باعث عبرت و نصیحت اور خوف کی نشانی ہے، سفینہ نوح کے مرئی آثار ایک وقت رہے اور اس کے بعد والے لوگوں نے اسے دیکھا، اور جنس کشتی آج تک موجود ہے.

اللہ سبحانہ و تعالی نے جنس کشتی کو جہان والوں کے لیے ایک نشانی بنایا ہے جو ان کے رب کی جانب سے باعث رحمت ہے، اللہ نے اس کے اسباب بنائے، اور اس کے تیرنے کو آسان کیا، کشتی انسانوں کو ہی ایک جگہ سے دوسری جگہ ہی نہیں لے

جاتی بلکہ سامان بھی ایک ملک سے دوسرے ملک مختلف جگہوں پر لے جانے کا باعث بنتی ہے.

صحیح بخاری میں قتادۃ رحمہ اللہ سے معلقاً روایت میں ہے کہ: اللہ سبحانہ و تعالی نے کچھ عرصہ تک سفینہ نوح کو باقی رکھا حتی کہ اس امت کے پہلے لوگوں نے اس کشتی کو پایا ہے.

چاہے سفینہ نوح کے آثار ظاہر ہوں یا نہ ہمارا ایمان اور یقین ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالی نے قومِ نوح کو طوفان سے ہلاک کیا، اور نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو اللہ تعالی نے سفینہ نوح کے ذریعہ نجات دی، یہ کشتی جودی پہاڑ پر ٹھری جسے پہلے لوگوں نے دیکھا بھی، اس قصہ میں عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے نصیحت و عبرت پائی جاتی ہے.

2 – قومِ ہود علیہ السلام:

طوفانِ نوح علیہ السلام کے بعد قومِ عاد میں دوبارہ شرک شروع ہوا، تو اللہ سبحانہ و تعالی نے ان میں ان کے بھائی ہود علیہ السلام کو رسول بنا کر مبعوث کیا جو انہیں اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی دعوت دیتے کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اور باقی سب کو چھوڑ دو.

تو یہ لوگ قوم نوح کے جانشین تھے جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے:

﴿اور تم یہ حالت یاد کرو کہ اللہ تعالی نے تم کو قوم نوح کے بعد جانشین بنایا اور ڈیل ڈول میں تم کو پھیلاؤ زیادہ دیا، سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کروتا کہ تم فلاح حاصل کرلو﴾ الاعراف (69).

یہ لوگ کبیر الجثہ اور بہت طاقتور تھے، انہیں تعمیرات میں مہارت حاصل تھی، لیکن انہوں نے یہ سب کچھ کفر و تکبر اور معاصی و سرکشی میں صرف کیا، قومِ عاد بھی قومِ نوح کی طرح ایک مشرک اور بت پرست قوم تھی، اللہ کو چھوڑ کر انہوں نے بتوں کو اپنا معبود بنارکھا تھا، اور ان میں شرک اور ضلالت و گمراہی پھیل چکی تھی، اور ان کے ہاں توحید الہی کا معاملہ قابل انکار اور برائی بن چکا تھا.

اِس کی دلیل یہ ہے کہ جب ھود علیہ السلام نے انہیں صرف عبادت الہی کی دعوت دی تو قومِ ھود نے جواب دیا، اللہ سبحانہ وتعالی نے ان کا جواب قرآن مجید میں نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿انہوں نے کہا کہ کیا آپ پاس اس واسطے آئے ہیں کہ ہم صرف اللہ وحدہ ہی کی عبادت کریں، اور جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے تھے انہیں چھوڑ دیں، تو تم جس عذاب کی ہمیں دھمکی دیتے ہو اس کو ہمارے پاس لے آؤ اگر تم سچے ہو﴾ الاعراف (70).

چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالی نے جبر و تکبر کرنے والی قوم کو ہلاک کر دیا، کیونکہ اس قوم نے اللہ زبردست سے دشمنی کی اور اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہوئے اللہ کے رسول کی نافرمانی کی، اور اپنی طاقت و سختی پر اعتماد کرتے ہوئے کہنے لگے:

﴿ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟ کیا انہیں یہ نظر نہیں آیا کہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے (بہت زیادہ) طاقتور ہے، وہ (آخر تک) ہماری آیتوں کا انکار ہی کرتے رہے﴾ فصلت (15).

قومِ ھود عاد کی ہلاکت و تباہی کے متعلق بعض مفسرین سے مروی ہے کہ انہیں عذاب بھی ان کے افعال و قول اور تکبر تجبر کی جنس سے ہی دیا گیا، چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالی نے ان پر ہوا مسلط کر دی جو ان سے بھی زیادہ طاقتور تھی، اس ہوا اور آندھی کی شدت و قوت سے دلوں میں بہت زیادہ خوف پیدا کر دیا، یہ ہوا ان کے مونہہ میں داخل ہوتی اور پیٹ میں جو کچھ تھا اسے پاخانہ کے راستے باہر نکال دیتی، پھر ان کے طاقتور اور قدآور ہونے کے باوجود انہیں اٹھا کر آسمان کی بلندیوں پر لے جا کر سر کے بل زمین پر پٹخ دیتی جس سے وہ ٹوٹ جاتا اور یہ شخص ایسے ہو جاتا کہ جیسے کھجور کا تنا ہو، جب کچھ لوگوں نے اپنی قوم کے لوگوں کو عذاب کی وجہ سے ہوا میں اڑتا ہوا دیکھا تو وہ گھروں، گھاٹیوں، اور گڑھوں میں چھپنے لگے، لیکن اس کے باوجود ہوا انہیں وہاں سے نکال کر پٹخ چھینکتی، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے ان کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿وہ ہوا لوگوں کو اٹھا اٹھا کر دے پٹختی تھی، گویا کہ وہ جڑ سے کٹے ہوئے کھجور کے تنے ہیں ﴾ القمر (20).

3 – قومِ صالح علیہ السلام:

قومِ عاد کی ہوا کے ساتھ ہلاکت و تباہی کے بعد قومِ ثمود ظاہر ہوئی جو کہ عرب بائدہ قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی، اسلام سے قبل عرب لوگ ان کے رہائشی علاقوں کا علم رکھتے تھے، اور آج تک ان کے علاقوں کا علم ہے.

اللہ سبحانہ و تعالی نے ثمود کی جانب صالح علیہ السلام کو رسول بنا کر مبعوث کیا صالح علیہ السلام اپنی قوم میں صدق و امانت اور فضل و کرم اور حسب و نسب اور کمال میں معروف تھے.

لیکن جب صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ وحدہ کی عبادت کی دعوت دی تو لوگوں کا جواب تھا:

﴿انہوں نے کہا اے صالح ! اس سے پہلے تو ہم تجھ سے بہت امیدیں لگائے ہوئے تھے کیا تو ہمیں ان کی عبادتوں سے روک رہا ہے جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں، ہمیں اس دین میں حیران کن شک ہے جس کی طرف تو ہمیں بلا رہا ہے، صالح علیہ السلام نے جواب دیا کہ اے میری قوم کے لوگو ! ذرا یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی جانب سے کسی مضبوط دلیل پر ہوا اور اس نے مجھے اپنے پاس

کی رحمت عطا کی ہو، پھر اگر میں نے اس کی نافرمانی کر لی تو کون جو اس کے مقابلے میں میری مدد کرے؟ تم تو میرا نقصان ہی بڑھا رہے ہو﴾ ھود (62- 63).

صالح علیہ السلام کی جانب سے اپنی قوم کے لیے لطیف عبارت اور نرم رویہ اور انہیں خیر و بھلائی کی دعوت میں انتہائی احسن طریق طریقہ اختیار کرنے کے باوجود قوم نافرمانی پر ڈٹی رہی، چنانچہ ایک دن قوم جمع تھی تو صالح علیہ السلام آئے اور قوم کو اللہ کی دعوت دی، اور انہیں وعظ و نصیحت فرمائی اور نیکی کا حکم دیتے ہوئے برائی سے ڈرایا.

تو قوم کے لوگ کہنے لگے: ہمارے لیے آپ اس چٹان سے اسطرح کی اونٹی نکال کر دکھاؤ، تو صالح علیہ السلام کہنے لگے: اچھا یہ بتاؤ اگر میں نے تمہارا مطالبہ پورا کر دیا تو کیا تم میری رسالت پر ایمان لاؤ گے، اور جو اللہ کی طرف سے لایا ہوں کیا اس کی تصدیق کرو گے؟

قوم نے جواب دیتے ہوئے کہا: جی ہاں ہم آپ کی بات مان کر ایمان لے آئینگے، صالح علیہ السلام نے ان سے وعدہ لے کر اللہ کے لیے نماز ادا کی اور پھر اللہ سبحانہ وتعالی سے قوم کا مطالبہ پورا کرنے کی دعاء فرمائی، تو اللہ سبحانہ و تعالی نے اس چٹان کو پھٹنے کا حکم دے کر وہاں سے عظیم الجثہ مطلوبہ اوصاف والی حاملہ اونٹنی نکال دی.

جب قوم نے اونٹنی نکلتی اور اس ہائل منظر اور عظیم قدرت اور قطعی دلیل و برہان دیکھی تو کچھ لوگ ایمان لے آئے، لیکن اکثر لوگ اپنے کفر و عناد اور سرکشی پر قائم رہے، تو اللہ کے نبی صالح علیہ السلام نے فرمایا:

﴿یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے﴾ ھود (64).

یہ اونٹنی ان کے ہاں جہاں چاہتی چرتی، اور ایک دن چھوڑ کر پانی پیتی، جب اونٹنی پانی پیتی تو اس دن کنویں میں پانی نہ ہوتا، اور دوسرے دن قوم کے لوگ پانی پیتے، طویل عرصہ تک جب یہی حالت رہی تو قوم کے بڑے لوگ جمع ہوئے اور اونٹنی کو قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا تا کہ انہیں اس سے چھٹکارا مل جائے اور پانی وافر ہو اس طرح شیطان نے ان کے برے اعمال کو مزین کر کے رکھ دیا.

اللہ سبحانہ و تعالی نے ان کے اس شنیع فعل کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿تو انھوں نے اس اونٹنی کو قتل کر دیا، اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے اے صالح ! جس کی آپ ہم کو دھمکی دیتے تھے اس کو منگوایئے اگر آپ سچے رسول ہیں ﴾ الاعراف (77).

قوم کے سب سے بدبخت نے قوم کی تائید و موافقت سے اونٹنی کو قتل کر دیا تا کہ یہ قتل ساری قوم کی طرف منسوب ہو جائے، اور پھر قوم کے لوگوں کی سرکشی یہاں

ہی نہ رکی بلکہ اس سے بھی تجاوز کرتے ہوئے شنیع کام کرنا چاہا، چنانچہ تین دنوں میں لوگوں کا ایک گروپ اکٹھا ہوا جن کے متعلق اللہ سبحانہ وتعالی نے فرمایا:

﴿اور اس شہر میں نو سردار تھے جن کا کام زمین میں دھنگا و فساد کرنا تھا، اور اصلاح نہیں کرتے تھے﴾ النمل (48).

انہوں نے اللہ کے نبی صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا، لیکن اس منصوبے کو خفیہ اس لیے رکھا کہ کہیں صالح علیہ السلام کے خاندان والے انہیں روک نہ دیں، کیونکہ صالح علیہ السلام کا خاندان عزت وشرف اور بڑا رعب و دبدبہ والا خاندان تھا.

اللہ سبحانہ وتعالی نے ان کے منصوبہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿انہوں نے آپس میں بڑی قسمیں کھا کھا کر عہد کیا کہ رات ہی کو صالح اور اس کے گھر والوں پر ہم چھاپہ ماریں گے، اور اس کے وارثوں سے صاف کہہ دینگے کہ ہم اس کے گھر والوں کی ہلاکت کے وقت موجود نہ تھے، اور ہم بالکل سچے ہیں، اور خفیہ منصوبہ بنایا، اور رہم نے بھی منصوبہ تیار کیا، اور وہ اسے سمجھتے ہی نہ تھے، (اب) دیکھ لیں ان کے منصوبے وچال کا انجام کیسا کچھ ہوا؟ کہ نے ان کو اور ان کی قوم کو سب کو غارت کر دیا﴾ النمل (49-51).

قوم کے لوگوں نے اس منصوبے پر عمل کرنے کے لیے ایک پہاڑ کے دامن میں چھپ کر موقع کی تلاش میں تھے کہ صالح علیہ السلام کو قتل کر دیں، لیکن اللہ سبحانہ و تعالی کے حکم سے پہاڑ سے ایک چٹان ان پر آ گری جس کے نیچے آ کر سب کے سب کچلے گئے، اس طرح اللہ سبحانہ و تعالی نے انہیں اپنی قوم کے لیے نشان عبرت بنا کر رکھ دیا.

پھر جب تین دن پورے ہوئے تو ان کے اوپر ایک چنگاڑ اور چیخ آئی، اور نیچے سے انہیں ہلا کر رکھ دیا گیا تو وہ بے ہوش ہو گئے اور اسی حالت میں ان کی روحیں پرواز کر گئیں، اور جانیں نکل گئیں اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے ہو کر ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئے، اور ایسے جثّے بن گئے جن میں کسی بھی قسم کی کوئی حرکت تک نہ رہی.

قوم کی تباہی و بربادی و ہلاکت کے بعد صالح علیہ السلام ان کے کفر کی خبر دیتے ہوئے مونہہ موڑ کر چل دیے، جیسا کہ درج ذیل فرمان باری تعالی میں بیان ہوا ہے:

﴿اس وقت (صالح علیہ السلام) ان سے مونہہ موڑ کر چلے، اور فرمانے لگے کہ اے میری قوم! یقینا میں نے تو تم کو اپنے رب کا حکم پہنچا دیا تھا، اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم لوگ خیر خواہوں کو پسند ہی نہیں کرتے﴾ الاعراف (79).

قوم صالح علیہ السلام کے لوگوں نے ہدایت و ایمان کی بجائے سرکشی و طغیان پسند کی تو وہ عذاب و خسارے سے دوچار ہوئے.

4 – قومِ لوط علیہ السلام:

اللہ سبحانہ وتعالی نے لوط علیہ السلام کو ایسی قوم کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیا جس میں ایسا فحش کام پایا جاتا تھا جو اس سے پہلے کسی بھی انسان میں نہیں تھا، وہ فحش کام یعنی مرد کا دوسرے مرد کے ساتھ برائی جیسا شنیع عمل، چنانچہ لوط علیہ السلام نے انہیں اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی دعوت دی اور انہیں اس فحش کام سے منع کرتے ہوئے ہر قسم کی برائی اور حرام و قبیح افعال سے منع کیا، تو وہ اپنی ضلالت و گمراہی میں اور بڑھ گئے، انہوں نے کفر اور فسق و فجور ترک نہ کیا، اس طرح ان کا شرک اور شنیع و قبیح فحش عمل اور بری نیت سب جمع ہو گئے، چنانچہ وہ سب سے برے لوگ ٹھرے، اور سب کفار سے زیادہ زیادہ برے کفار بن گئے، یہ بری نیت والے تھے، اور سیرت و ارادے کے بھی برے کیونکہ وہ راستے کاٹ دیتے اور اعلانیہ طور پر برائی کا ارتکاب کرتے، اور کوئی کسی دوسرے کو برائی سے روکتا تک نہ تھا ان کے اعمال بہت ہی برے تھے.

اس لیے اللہ سبحانہ و تعالی نے ان پر نہ ٹلنے والا ایسا عذاب نازل کیا جو ان کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا، اور انہیں باقی لوگوں کے لیے مثال اور نشان عبرت بنا کر رکھ دیا.

اللہ سبحانہ و تعالی نے جب اپنے رسول لوط علیہ السلام کی مدد اور انہیں تباہ و برباد کرنا چاہا تو لوط علیہ السلام کی جانب نوجوان آدمیوں کی شکل میں فرشتے بھیجے، لوط علیہ السلام کو اپنی قوم کی شنیع و قبیح جرات کی بنا پر فرشتوں کا نوجوانوں کی شکلوں میں آنا اچھا نہ لگا، جب لوط علیہ السلام پر یہ معاملہ تنگ اور حالات مشکل ہوگئے تو لوط علیہ السلام فرمان لگے:

﴿لوط علیہ السلام نے کہا: کاش کہ مجھ میں تم سے مقابلہ کرنے کی قوت ہوتی یا میں کسی زبردست کا آسرا پکڑ پاتا، اب فرشتوں نے کہا: اے لوط (علیہ السلام) ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں، ان لوگوں کا آپ تک پہنچنا ناممکن ہے، تو آپ اپنے گھر والوں کو رات کے آخری حصہ میں نکل کھڑے ہوں، تم میں سے کسی کو مڑ کر نہیں دیکھنا چاہیے، لیکن آپ کی بیوی (وہ دیکھے گی) کے، اس لیے کہ اسے بھی وہی عذاب پہنچنے والا ہے جو ان سب کو پہنچے گا، یقینا ان کے وعدے کا وقت صبح کے وقت ہے، کیا صبح بالکل قریب نہیں﴾ ھود (80-81).

چنانچہ اس قوم کو شدید اور مختلف قسم کا عذاب دیا گیا جس سے کسی اور قوم کے افراد دوچار نہیں ہوئے تھے، آنکھیں مٹانے کے ساتھ ساتھ ان پر چنگاڑ مسلط کر کے ان کے بستی کو الٹا کر اوپر والا حصہ نیچے کر دیا گیا، اور آسمان سے پتھروں کی بارش برسانے کے ساتھ انہیں زمین میں دھنسا دیا گیا - اللہ تعالی ہمیں سلامت و عافیت سے رکھے-.

اور یہ عذاب عموما ساری قوم فحاشی کے مرتکب اور فحاشی پر رضامند و خاموش سب کو شامل تھا، ان سب کو تباہ و برباد کر کے نشان عبرت بنا دیا گیا،اور یہ لوگ قصہ پارینہ ہو کر رہ گئے.

کچھ مفسرین و مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ قومِ لوط کے ٹیلے بحر میت کے نیچے ہیں نہ تو اس سمندر کا پانی کارآمد ہے اور نہ ہی وہاں ارد گرد کی زمین کا کچھ فائدہ کیونکہ یہ زمین ردی و بیکار اور متعفن ہو چکی ہے.

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ بھی اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کچھ اسطرح رقمطراز ہیں:
" یہ علاقہ اردن اور فلسطین کے درمیان واقع ہے جو کہ اس وقت بحر میت کے نام سے معروف ہے، اور روئے زمین پر نیچا ترین علاقہ ہے.

5 – قومِ شعیب علیہ السلام:

اللہ سبحانہ و تعالی نے اہل مدین کی جانب شعیب علیہ السلام کو رسول بنا کر مبعوث کیا انہوں نے بھی پہلے انبیاء کی طرح توحید الہی کی دعوت دیتے ہوئے شرک نہ کرنے کا حکم دیا، اور ماپ تول میں کمی جیسی جو برائیاں ان میں پائی جاتی تھیں اس پر تنبیہ فرمائی، شعیب علیہ السلام کی دعوت و تبلغی میں مکمل کوشش کے باوجود ان میں کوئی تبدیلی نہ آئی بلکہ قوم کی جانب سے کفر و عناد اور جھٹلانے کے کچھ حاصل نہ ہوا.

انہوں نے تکذیب و شرک اور ماپ تول میں کمی اور معاملات میں دھوکہ و فراڈ، کے ساتھ شعیب علیہ السلام کو اذیت و تکلیف دینے اور عذاب لانے کا چیلنج دینے پر ہی اکتفاء نہیں کیا، بلکہ عذاب کی قسم بھی متعین کرکے بتائی جیساکہ اللہ سبحانہ و تعالی نے قرآن مجید میں بیان فرماتے ہیں:

﴿اگر تو سچے لوگوں میں سے ہے تو ہم پر آسمان سے ٹکڑے گرا دے، شعیب علیہ السلام نے فرمایا: میرا رب خوب جاننے والا ہے، جو کچھ تم کر رہے ہو، چونکہ انہوں نے اسے جھٹلایا تو انہیں سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا، وہ بڑے بھاری دن کا عذاب تھا﴾ الشعراء (187-189).

قرآن مجید کی مختلف آیات میں اہل مدین کی تباہی و بربادی مختلف اوصاف میں بیان ہوئی ہے کبھی چنگاڑ کے ساتھ تباہی بیان کی گئی ہے تو کبھی زلزلہ کے ساتھ اور کبھی

سائبان والے عذاب کا ذکر ہے،ایک ہی وقت میں مختلف اوصاف واصناف کا عذاب ہونے میں کوئی تعارض نہیں، اور اس سے یہ بھی نہیں سمجھنا چاہیے کہ عذاب کی اشکال واصناف مختلف ہونے سے افراد بھی مختلف ہونگے.

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (6/450) اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے: اگر عذاب شدہ لوگوں کے حالات مختلف عذاب کے متقاضی ہوں تو کئی قسم کا عذاب ہوسکتا ہے، لہٰذا زلزلہ کے ساتھ تباہ کردہ لوگ وہ نہیں جنہیں چنگاڑ کے ساتھ ہلاک کیا، اور حق بات تو یہ ہے کہ قوم کے سب افراد کو یہ سب قسم کا عذاب دیا گیا، چنانچہ انہیں شدید گرمی لگی تو وہ گھروں سے باہر نکلے تو بادل کا سایہ دیکھ کر سب اس سائے میں اکٹھے ہوگئے، چنانچہ نیچے سے زمین میں شدید قسم کا زلزلہ بھیج دیا گیا اوراوپر سے انہیں سخت قسم کی چنگاڑ نے آ لیا، اس طرح ان کی روحیں نکل کر پرواز کر گئیں اور جسم ساکت ہو کر رہ گئے.

ہلاک شدہ پہلی امتوں کے احیاءِ آثار کا حکم:

اوپر کی سطور میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جن امتوں نے دلیل و برہان آ جانے کے باوجود ایمان و ہدایت کو ترک کر کے ضلالت و گمراہی اختیار کیا، تو انہیں عذاب خسارہ کا سامنا کرنا پڑا.

اس لیے مسلمان شخص پر کتاب و سنت صحیحہ میں وارد شدہ پہلی امتوں کی خبروں اور ان پر نازل کردہ عذاب کے قصوں پر ایمان لانا، اور اس کی تصدیث کرنا واجب ہے، چاہے مشاہدہ کے لیے ان کے آثار بھی باقی نہیں رہے، اور جن امتوں کے آثار، وجگہیں اور شہر و گھر باقی ہیں اس سلسلہ میں صحیح منہج نبویہ اختیار کرنا چاہیے.

صحیح احادیث میں وارد ہے کہ عذاب کے ساتھ تباہ شدہ پہلی امتوں کے آثار اور جگہوں میں نہیں جانا چاہیے، اور وہاں ٹھرنا بھی نہیں چاہیے، الا یہ کہ دوران سفر راستے میں آجائیں، تو جلدی سے نکل جائیں، عذاب شدہ علاقے اور بستیوں میں بغیر کسی مقصد کے جانا اور وہاں ٹھرنا منع ہے، بلکہ عبرت کے لیے جانا بھی منع ہے کیونکہ رسول کریم ﷺ نے ایسا ہی کیا تھا، جب آپ جنگ تبوک کے لیے مدینہ سے نکلے اور قومِ ثمود کے علاقے سے گزرے تو آپ ﷺ نے چہرے پر کپڑا باندھ لیا اور وہاں سے تیز چلتے ہوئے جلدی سے نکل گئے، اس لیے عبرت و نصیحت تو یہی کہ نبی کریم ﷺ کے طریقہ پر عمل کرے اور اگر کسی کے راستے میں عذاب سے تباہ شدہ قوم کا علاقہ آجائے تو وہ وہاں سے تیزی کے ساتھ جلدی سے نکل جائے.

ایسے ہی شریعت نے عبرت و نصیحت کے لیے ان علاقوں میں جانے کا حکم نہیں دیا بلکہ وہاں جانے سے ڈرایا اور بچنے کا کہا ہے، اگر مشروع ہوتا تو رسول کریم ﷺ اس کا حکم ضرور دیتے، جیسا کہ آپ نے آخرت یاد دلانے کے لیے قبرستان جانے کا حکم دیا ہے، لیکن آپ نے ایک دن بھی اپنی امت سے یہ نہیں فرمایا: عاد اور ثمود

دوسری ہلک شدہ قوموں کی ہلاکت والے علاقوں کو دیکھو، میرے خیال میں تو کسی سلف امت سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ کسی ایسے آثار کی زیارت کے لیے گیا ہو.

ان علاقوں میں جانے کی ممانعت کے بعض دلائل درج ذیل ہیں:

1 - عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ تبوک کے لیے نکلے تو راستے میں حجر سے گزرے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وہاں کے کنویں سے پانی بھرا، اور اس پانی سے آٹا بھی گوندھا، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وہ پانی گرانے اور آٹا اونٹوں کو کھلانے کا حکم دیتے ہوئے کہا: تم اس کنویں سے پانی بھرو جس سے اونٹنی پانی پیتی تھی.

صحیح بخاری میں حدیث مروی ہے کہ: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جن علاقوں کے لوگوں نے اپنے اوپر ظلم کیا (اور انہیں تباہ کر دیا گیا) تم ان علاقوں میں مت جاؤ، اور اِلا یہ کہ روتے ہوئے، اس ڈر سے کہ کہیں تمہیں بھی وہی عذاب نہ ہو جو عذاب انہیں دیا گیا.

پھر اپنی سواری کو ڈانٹا اور تیز کر لیا حتی کہ اس علاقے کو اپنے پیچھے چھوڑ گئے، اور صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے: اگر تم رونے والے نہیں تو وہاں مت جاؤ.

اور مسند احمد میں صحیح سند سے مروی ہے کہ: مجھے خدشہ ہے کہ تمہیں بھی وہی عذاب نہ ہو جو انہیں ہوا تھا، اس لیے تم وہاں مت جاؤ۔

اور صحیح ابن حبان میں فرمان نبوی ﷺ ہے: جن لوگوں کو عذاب ہوا تم انکے علاقے میں مت جاؤ کیونکہ تمہیں بھی ان جیسا عذاب پہنچ سکتا ہے۔

2 – صحیح بخاری اور مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ جو پانی بھرا گیا ہے اسے انڈیل دیا جائے، اور گوندھا ہوا آٹا اونٹوں کو کھلا دیا جائے، انہیں حکم دیا کہ تم اس کنویں سے پانی بھرو جس کنویں پر اونٹنی آیا کرتی تھی۔

صحیح ابن حبان کی ایک روایت میں ہے: پھر آپ وہاں سے کوچ کر گئے اور اس جگہ پڑاؤ کیا جہاں سے اونٹنی پانی پیا کرتی تھی.. " صحیح بخاری اور ابن حبان کی بعض روایات میں آیا ہے کہ " نبی کریم نے اپنے چہرے اور سر پر کپڑا باندھ لیا، اور وہاں سے تیزی کے ساتھ نکل کر وادی پار کر لی، اور اس جگہ پر پڑاؤ کیا جہاں سے اونٹنی پانی پیا کرتی تھی، یہ سب روایات ایک دوسرے کی تفسیر بیان کرتی ہیں۔

3 – فرمان نبوی ﷺ ہے: تم اللہ کی جانب سے غضب نازل کردہ قوم کے علاقے میں کس بنا پر جاتے ہو؟ تو ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ تعالی کے رسول ﷺ ہمیں تو ان پر بہت تعجب ہے، رسول کریم نے فرمایا: کیا میں تمہیں

اس سے بھی عجیب بات نہ بتلاؤں؟ تم میں سے ہی ایک شخص تمہیں وہ کچھ بتاتا ہے جو تم سے پہلے لوگوں میں تھا، اور وہ کچھ بھی جو تمہارے بعد ہونے والا ہے، اس لیے تم صراط مستقیم پر قائم رہو، اور حسب استطاعت صحیح طریقہ اختیار کرو، کیونکہ (اگر تم صراطِ مستقیم پر رہے تو) اللہ سبحانہ و تعالی تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا پھر ایسی قوم آئیگی جو اپنے آپ سے کچھ بھی روک نہیں سکے گی. امام احمد نے مسند احمد میں حسن سند سے نقل کیا ہے.

ہلاک شدہ پہلی امتوں کے علاقوں سے گزرنے کی درج ذیل صورتیں ہیں:

1 - گزرنا جائز ہے: اگر کوئی شخص رسول کریم ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے وہی کچھ کرے جو نبی ﷺ نے کیا تھا تو اس کے لیے وہاں سے گزرنا جائز ہے؛ نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدائن صالح راہ چلتے ہوئے گئے بغیر کسی قصد وارادہ گئے تھے.

اور پھر وہاں سے گزرتے ہوئے تباہ شدہ قوم کے انجام سے نصیحت و عبرت حاصل کرے، نہ کہ وہاں کی عمارتوں اور کھنڈرات کو پسندیدگی و تعجب کی نگاہ سے دیکھے، اور اس جگہ سے جانے تک خوفزدہ رہے، اور اس جگہ سے کچھ فائدہ نہ لے اور نہ ہی کوئی چیز اٹھائے.

2 – گزرنا اور جانا بدعت ہے: اگر کوئی شخص عذاب سے تباہ شدہ علاقے میں تقرب الٰہی اور بطور ثواب جاتا ہے تو یہ بدعت کہلائیگی.

3 – مشرکین سے مشابہت: اگر وہاں جانے اور گزرنے میں غرض فخر و تعجب اور مہارت کا حصول ہے؛ تو یہ مشرکین و کفار سے مشابہت ہو گی.

خلاصہ:

عذاب سے تباہ شدہ علاقوں اور جگہوں پر جانا جائز نہیں، اور ان علاقوں کی زیارت کرنا اور وہاں جانا غیر مشروع ہے؛ کیونکہ رسول کریم ﷺ تو غزوہ تبوک کے سفر میں راہ چلتے ہوئے قوم ثمود کے علاقے سے بغیر کسی قصد و ارادہ کے گزرے لیکن اس کے باوجود آپ نے سر اور چہرے پر کپڑا لپیٹ لیا تھا اور تیزی سے نکل جانے کے ساتھ ساتھ خوف اور روتے ہوئے گزرنے کا حکم دیا تھا، اور آپ نے وہاں کوئی پڑاو تک نہیں کیا.

اسی طرح شریعت اسلامیہ میں بطور عبرت و نصیحت کے حصول کے لیے جانا بھی مشروع نہیں، بلکہ شریعت نے تو وہاں جانے اور وہاں ٹھرنے سے بھی منع کر دیا، منہج نبوی تو یہ ہے کہ جو کوئی سر راہ یعنی دوران سفر بغیر کسی ارادہ و قصد وہاں سے گزرے تو عبرت حاصل کرے.

بت پرستانہ اور جاہلیت والے آثارِ قدیمہ

مسلمان کئی صدیوں تک تو جاہلیت کے امور کی طرف دھیان بھی نہ دیتے تھے، اور نہ ہی وہ ان جاہلیت کے آثار قدیمہ کی دیکھ بھال کا کوئی اہتمام کرتے تھے، بلکہ ان کے نزدیک ان امور کی کوئی قدر و قیمت تک نہ تھی، اور اگر کبھی ان کا ذکر بھی ہوتا تو وہ اسے بطور ضلالت و گمراہی ہی بیان کرتے کہ وہ دور جاہلیت میں اس گمراہی میں تھے، اور اللہ سبحانہ و تعالی نے ان پر انعام و احسان کرتے ہوئے دین اسلام کی کیسے ہدایت نصیب فرمائی.

مسلمان لوگ تو اپنے دین اسلام میں ہی مگن تھے، اور یہ جاہلی آثار ان کی زمین کے نیچے دبے ہوئے تھے، اس سلسلہ میں ان کے ہاں کبھی کوئی تعصب و حماس نہ تھا کہ اس تاریخ کو بھی کھرچیں، صرف دین اسلام پر عمل پیرا رہے.

حتی کہ کفار نے کچھ مسلمان علاقوں پر حملہ کر کے قبضہ کیا اور اپنی سوچ و عقیدہ مسلمانوں میں منتقل کیا، اور ان کی للچائی ہوئی طبعیت نے اپنے زعم کے مطابق زمین میں چھپے خزانے اور جاہلی آثار قدیمہ کھودنا شروع کر دیے تاکہ قدیم تاریخ اور ماضی کی مجہول چھپی ہوئی خبریں تلاش کریں.

کفار کے آثار قدیمہ کی تلاش کے ان حملوں نے کوئی کسر باقی نہ رکھی، اور انہوں نے مسلمانوں کے علاقوں میں آثار قدیمہ کی تلاش اور بت پرستانہ جاہلیت کی ثقافت

کو زمین کے نیچے سے تلاش کرنے کے لیے مسلسل ٹیمیں روانہ کرنا شروع کر دیں، کہ ہر ملک اور علاقے کو اس زمین کے مناسب نسبت دیں، کیونکہ انہیں وہ علاقہ اسلام کی نسبت سے اچھا نہیں لگتا وہ مسلمانوں کی وحدت کو نقصان دے کر انہیں قومیت و وطنیت میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں، اور قومیت و وطنیت کے نعرے بلند کر رہے ہیں، اس طرح عراق بابلی بن جائیگا، اور مصر فرعونی، اور شام فینقی وغیرہ

حتی کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلمان جو پوری دنیا میں ہر علاقے میں مسلمان ہونے پر فخر کرتے تھے، آہستہ آہستہ اسلام کی بجائے جاہلیت والی نسبت کی طرف منسوب ہو کر ایک قومی تعصب بن جائیگا، یہ فرعونی قوم ہے، اور وہ بابلی اور یہ فینقی، اور دوسری جاہلی قوموں کی طرف نسبت ہونے لگے گی.

چنانچہ اس طرح اسلامی ممالک اور علاقوں میں آثار قدیمہ کی تلاش اور اس کا احیاء دشمنانِ اسلام کفار کی پلاننگ بن گیا، ہر مسلمان ملک کو وہ اس پر راضی کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ قدیم زمانہ سے ان کے ملک کا ایک ذاتی طور ایک تشخص اور نام و نسبت ہے، اور ولاء و براء یعنی دوستی و دشمنی اور نسبت بھی اسی ثقافت کے اعتبار سے ہونی چاہیے، اور آج کو اس قدیم کل سے ملایا جائے، یہی وہ سوچ اور پلاننگ ہے جس سے مسلمانوں کے مابین قومیت اور وثنیت کا احیاء ہو سکتا ہے.

چنانچہ ظاہری طور پر تو ان کفار کا دعوی ہے کہ ہر علاقے کی قدیم تاریخ اور تہذیب و تمدن ، اور علمی ترقی معلوم کرنے کے لیے آثار قدیمہ کا احیاء اور اس کی حفاظت کر کے لیے اسے عجائب گھروں میں سجانے اور مالی و اقتصادی سرمایہ کاری ہے، لیکن احیاء آثار قدیمہ کے لیے ان کا خفیہ مقصد اس شرک و وثنیت کا احیاء ہے جس پر کفار دن رات عمل پیرا ہیں، اور مسلمان ملکوں پر قبضے کے خفیہ اہداف بھی اسی طرح پورے ہو سکتے ہیں، یا پھر مسلمانوں میں قومیت کا بیج بھی اسی طرح بویا جا سکتا ہے، تا کہ مسلمانوں میں قومی اور جاہلیت والا تعصب و دشمنی پیدا کر کے آپس میں جنگیں کروائی جا سکیں، اور اسلامی ممالک میں ان کفار کے مقاصد پورے ہو سکیں.

افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ آثارِ قدیمہ کی تلاش اور مختلف علاقوں کی تاریخ دیکھنے کے سلسلہ میں زمین کی کھدائی کے ذریعہ ان کفار کے بہت سارے اہداف پورے ہو چکے ہیں، چنانچہ ہر علاقے کے لوگ اب اپنی بت پرستانہ جاہلی تاریخ پر فخر کرنے لگے ہیں، اور اسلام کی نسبت کو بھولتے جارہے ہیں حالانکہ دین اسلام تو بت پرستی اور جاہلیت کے منافی ہے اور اس کو ختم کرنے والا ہے.

مثلاً کچھ مصری لوگ فخر کرنے لگے ہیں کہ وہ فراعنہ مصر کی اولاد ہیں، اور کچھ لبنانی اپنے آپ کو فینقی کہنے پر فخر کرنے لگے ہیں، اور عراق میں بعض لوگ اپنے آپ کو بابلی کہنے میں فخر کر رہے ہیں.

چنانچہ ان آثار قدیمہ مثلا قوم نوح کے آثار کا احیاء اور اس کی دیکھ بھال تو بتوں کا احیاء و دیکھ بھال ہوگی.

بلاشک و شبہ کفار کا ان آثار کو تلاش کی کوشش تو صرف اور صرف الحاد اور غیر اللہ کی عبادت عام کرنے کی کوشش وجد وجھد کے علاوہ کچھ نہیں؛ کیونکہ یہ کفار تو اللہ رب العالمین کی توحید اور اس کی خالص عبادت سے نفرت کرتے ہیں، اس لیے آپ دیکھتے ہیں کہ بتوں میں وہ بھی شیطان کی طرح غیر اللہ کی عبادت تلاش کرتے پھر رہے ہیں.

جب شیطان نے عمرو بن لحیی کو جدہ کی بندرگاہ کی ریت سے بت نکال کر دیا؛ اور اس نے عرب کے سامنے پیش کیا تو وہ اس بت کی عبادت کرنے لگے، جن کفار نے کچھ مسلمان ممالک پر قبضہ کیا ہے یہ تو شیطان دوست ہیں، ان کا اس بت پرستی کے مقاصد کے لیے آثارِ قدیمہ کی تلاش کو استعمال کرنا کوئی بعید اور عجیب نہیں.

اس لیے بت پرستانہ اور جاہلی آثار قدیمہ سے مراد سابقہ بت پرستانہ قوموں کے باقی ماندہ مرئی نشانات ہیں اور وہ درج ذیل ہیں:

1 – فرعونی آثارِ قدیمہ:

فراعنہ قدیم مصری حکمرانوں کا لقب تھا، جو بھی حاکم بنتا اسے فرعون کہا جاتا تھا، اس کی تاریخ تین ہزار سال قبل میلادی ہے، یہ لوگ براعظم افریقہ کی طرف شمال

مشرق میں دیارِ نیل کے کناروں پر بسے ہوئے تھے، اور اب اسے جمہوری مصر العربی کے نام سے پہچانا جاتا ہے.

فراعنہ کے ہاں بعض جاہلی خرافات اور بت پرستانہ عقائد درج ذیل ہیں:

روح کا ہمیشہ رہنا، ابدی زندگی، اس جہاں کی دوسری طرف، تناسخ ارواح کا عقیدہ، کہ موت کے بعد روح واپس پلٹ آتی ہے، اور ممی اور مجسموں میں رہتی ہے، اسی طرح اہل مصر نے اپنے ارد گرد کے ماحول اور اپنے احساسات اور شعور کے اعتبار سے کئی قسم کے بتوں کو الہہ و معبود بنا رکھا تھا؛ جہالت میں ان کی عبادت کرتے ان کا خیال تھا کہ اس طرح یہ راضی ہو کر ان سے اذیت و تکلیف دور کر دیتے ہیں، اور انہیں نفع و فائدہ دیتے اور ان کا بچاؤ کرتے ہیں، اور یہ معبود انہیں دیتے اور ان سے لیتے بھی ہیں.

یہ بات واضح شدہ ہے کہ قدیم مصری دین شرک وانحراف کے اعتبار سے کبھی ایک معبود تو کبھی دوسرے معبود کی طرف منتقل ہوتا رہا، کبھی وہ لوگ ایک ہی معبود کی عبادت کرتے، اور کبھی تین کی اور کبھی نو معبودوں کی، پھر ان کی تعداد بڑھ کر سینکڑوں تک جا پہنچی!

فرعونی آثار قدیمہ کوتلاش کرنے اور اسے نکالنے کا سبب بننے والا کون ہے ؟:

-میرے علم کے مطابق-توکتب تاریخ میں کہیں ذکر نہیں کہ جب مسلمانوں نے مصر فتح کیاتواس وقت فرعونی آثارِ قدیمہ موجود تھے یا کسی نے انہیں دیکھا تھا.

الزرکلی نے اپنی کتاب " شبہ الجزیرۃ فی عھد الملک عبد العزیز (4/1188) نے اس دور میں آثار قدیمہ کی عدم موجودگی کا اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے: اکثر آثار اس وقت ریت میں دبے ہوئے اور خاص کر ابوالہول کا مجسمہ بھی.

اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ نو صدی ہجری میں ابوالہول کا مجسمہ ظاہر نہیں ہوا تھا، صرف اس کا سر اور گردن نظر آتی تھی، جیسا کہ ابو العباس المقریزی نے مصری تاریخ بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب " المواعظ و الاعتبار (1/129) میں ذکر کیا ہے.

یہاں تک کہ یورپی لوگوں کی ٹیموں نے دورے کیے اور اٹھارویں صدی میلادی میں فرانسیوں کے ذریعہ ان آثارِ قدیمہ کو نکالنے اور ان کے احیاء کا کام شروع کیا.

فرعونی آثارِ قدیمہ کے احیاء میں مستشرقین کا بہت بڑا ہاتھ اور دخل رہا ہے، اور مسلمان ممالک میں اس سلسلہ کی سب سے پہلی اور مشہور ٹیم وہ صلیبی حملہ ہے جو

نابلیوں نے (1798) میلادی میں مصر پر کیا، اور اس میں ایک سو سے زائد ماہرین آثار قدیمہ شامل تھے ان کا کام نکال کر ان پر لکھی گئی عبارت پڑھنا تھا.

پھر اس کے بعد تو فرعونی آثار کی تلاش کے لیے ماہرین آثار قدیمہ کی ٹیموں کی لائن لگ گئی، اٹھارویں صدی سے لیکر آج تک یورپی مستشرق مصر میں ان فرعونی بت پرستانہ آثار کی آڑ میں آرہے ہیں، اور انہیں تیار کر رہے ہیں.

2 – فینقی آثار قدیمہ:

یونانیوں نے بحر ابیض المتوسط کے ساحل پر بسنے والے ملاحوں اور کشتی سازوں کی شہرت رکھنے والوں کو فینقی کا لقب دیا، ان کی تاریخ تقریبا دو ہزار برس قبل میلادی کی ہے، فینقی کوئی سیاسی حکومت نہ تھی جو کسی ملک پر قائم ہوئی ہو بلکہ بحر ابیض المتوسط کے ساحل پر کچھ شہر تھے، اور ہر شہر کا ایک مستقل حکمران تھا، اور ہر شہر کا ایک معبود بھی مستقل اور علیحدہ تھا.

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ: یہ چھوٹی چھوٹی حکومتوں کا اقتصادی طور پر ایک مستقل سیاسی گروپ تھا، فرعونی یا بابلی حکومت طرح تو نہیں لیکن یہ سب جدا جدا ہونے کے باوجود دینی رسم و رواج اور آثار میں متفق تھے.

فینقیوں کے ہاں معروف ترین بت پرستانہ اعتقادات اور خرافات کچھ اس طرح کی تھیں:

کئی قسم کے مجسمے اور معبود، قدرتی ظواہر و عناصر کی تعریف و تمجید، معبودوں کے گروپ کی داخلی تنظیم، کہ ان کے اس خرافاتی دین کے رسم و رواج کے مطابق ہر ایک معبود والہ کا رتبہ اور اس کا کام کیا ہے، اسی طرح روح کے ہمیشہ رہنے اور ابدی حیاۃ کے متعلق وہ فراعنہ کے عقیدہ سے متاثر تھے۔

فینقی آثار قدیمہ کو نکالنے کا سبب بنے والا اور اسے نکالنے والا کون؟:

فینقیوں کی کوئی تاریخ ذکر نہیں کی جاتی صرف اتنا ہے کہ یونانیوں اور رومیوں کے ہاں ان کے متعلق قدیم کتابت ہی ملتی ہے۔

ان کے آثار بھی فرعونی آثار قدیمہ کی تلاش کے وقت ہی ظاہر ہوئے جب نابلیوں کی قیادت میں فرانسیسی ٹیم نے فرعونی آثار نکالے تو وہاں کچھ خطوط ملے ٹیم کے کہنے کے مطابق یہ خطوط فراعنہ اور فینقیوں کے مابین رابطہ پر مشتمل تھے، اس میں فینقیوں کے اوصاف اور ان کے رہنے کی جگہوں کا بیان تھا۔

ان آثار کی روشنی میں فرانس اور جرمنی کی ٹیمیں انیسویں اور بیسویں صدی میں بحر ابیض المتوسط کے ساحل پر جا کر کھدائی کر کے ان آثار کا احیاء کرنے لگیں اور کچھ آثار کو فرانس کے لوور عجائب گھر میں جا رکھا.

اس طرح ان علاقوں کے لوگ بھی صدیوں سے ریت میں دبے ہوئے بت پرستانہ قدیم آثار کو تلاش کر کے انہیں عجائب گھروں میں رکھنے کے فتنہ کا شکار ہوگئے.

3 – بابلی آثارِ قدیمہ:

بابل عراق کے جنوب بغداد میں دریائے فرات اور دریائے نیل کے سنگم کے نچلے علاقے فرات کے بائیں کنارے پر واقع ہے، ان کی تاریخ تین ہزار سال قبل میلادی کی ہے.

بابل کا قرآن مجید میں درج ذیل فرمان باری تعالی میں ذکر ہوا ہے:

﴿اور وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے، اور بابل میں ہاروت اور ماروت دو فرشتوں پر جو اتارا گیا تھا، وہ دونوں بھی کسی شخص کو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ایک آزمائش ہیں، تم کفر نہ کرو﴾ البقرۃ (102).

یعنی اللہ سبحانہ و تعالی نے لوگوں کو اس وقت عراق کے بابل علاقے میں رہنے والے دو فرشتوں کے ساتھ آزمایا وہ فرشتے لوگوں کو جادو کرنا سکھاتے، چنانچہ

جس کو بھی اللہ سبحانہ و تعالی ان فرشتوں سے نجات دلاتا وہ ایمان کی دولت سے مالا ہو کر سعادت مند ہوتے ہوئے کفر سے نجات پا جاتا، اور جو کوئی بھی فرشتوں کے مطیع ہو کر جادو سیکھ لیتا وہ کفر کا شکار ہو کر بد بخت بن جاتا، اسطرح سیکھنے اور سکھانے والے دونوں ہی تعلیم کے ذریعہ عذاب کا شکار ہوتے، کیونکہ اس میں معلم اور متعلّم دونوں کی آزمائش ہے.

اور بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ بابل وہ علاقہ ہے جسے اللہ سبحانہ و تعالی نے نمرود سمیت زمین میں دھنسا دیا تھا، اور اسے بابل کہنے کی وجہ یہ ہے کہ: جب نمرود کا برج تباہ کیا گیا تو اس وقت گھبراہٹ کی وجہ سے زبان خلط ملط ہو گئی.

اوپر بیان کردہ کلام کی بنا پر یہ معلوم ہوا کہ بابل شہر جادو گری اور زمین میں دھنسا دیا جانے والا علاقہ تھا.

بابلیوں کے چیدہ چیدہ بت پرستانہ اور جاہلی عقائد وخرافات درج ذیل ہیں :

یہ لوگ قدرتی ماحول کے ظاہر کا الٰہی طاقت سے مرتبط ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، اور اسی طرح ان کا عقیدہ تھا کہ انہیں جادو کے ذریعہ قدرتی مظاہر اور ماحول کو متاثر کر کے اپنے کنڑول میں کرنے کی طاقت حاصل ہے، اور یہ جادو ان کی عبادت کی اصل تھا، اور جادو گر سب سے بڑا دینی شخص شمار ہوتا، اس کے بعد نجومی اور جوشتی.

اکثر مؤرخین کا کہنا ہے کہ بابلیوں نے ہی علم الفلکیات کی بنیاد رکھی، اور انہوں نے آسمانی ستاروں کا انسانی طبیعت پر اثر ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوئے اس کے متعلق ملاحظات و نوٹس بھی مرتب کیے، اور کہانت و علم نجوم بھی وہیں سے شروع ہوا.

اسی لیے بابل شہر کے آثارِ قدیمہ سے ملنے والے آثار میں تعویذ و زائیچے اور جادوئی عبارتیں، لکھی ہوئی ملی ہیں، اور یہ سب اس دلیل سے لکھا گیا ان کے عقیدہ تھا کہ اس سے شیطان دور ہو جاتے ہیں غیب کی خبریں حاصل ہوتی ہیں، اور آسمانی اور زمین امور کا علم ہوتا ہے، حالانکہ بلاشک وشبہ یہ سب علم غیب کا دعوی اور اللہ سبحانہ وتعالی کے ساتھ شرک کہلاتا ہے.

بابلی آثار قدیمہ نکالنے کا سبب بننے اور اس کی احیاء کی کوشش کرنے والا کون تھا؟:

(1899) سے (1917) میلادی میں جرمن لوگ بابل شہر کے آثارِ قدیمہ تلاش کرنا شروع ہوئے تو انہیں مختلف رنگوں کے صیقل شدہ پتھروں کے ٹکڑے ملے جس سے شہر کی فصیل بنائی جاتی ہے، انہوں نے اس کے ذریعہ ہی عچار گیٹ کو دوبارہ بنا دیا جو کہ بابل کے معبودوں میں شمار ہوتا تھا، اس طرح ٹیمیں زمین سے کھدائی کر کے ریت کے نیچے سے بت اور آثار قدیمہ نکالتی رہیں، اور پھر فرانس اور برطانوی اور ڈنمارک وغیرہ کی ٹیمیں بھی شامل ہو گئیں، اور اب تک عراق میں یہ کام ہو رہا ہے.

4 – جاہلی آثارِ قدیمہ :

جاہلیت سے مراد دین ابراہیمی میں تبدیلی کے بعد اور محمد ﷺ کی نبوت سے قبل جزیرہ العرب میں مشرکین عرب کی وہ حالت ہے جس پر معاشرہ قائم تھا.

اہل جاہلیت کے بعض جاہلی عقائد :

مشرکین عرب مختلف قسم کے مجسمے اور بت بنا کر عبادت کرکے شرک باللہ کے مرتکب ہوتے،اور اعتقاد رکھتے کہ یہ سب انہیں اللہ کا قرب دیتے اور ان کے سفارشی ہیں.

جزیرہ عرب میں سب سے پہلے شرک کا سبب بننے اور آثار جاہلیت کا احیاء کرنے والا :

بدبخت و بدنصیب عمرو بن لحیی الخزاعی ہے، سب سے پہلے اس شخص نے ہی پانچ بتوں (پنجتن پاک) : ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کا احیاء کیا، ان بتوں کی پوجا تو قومِ نوح کیا کرتی تھی،اور پھر عمرو بن لحیی نے انہیں نکال کر قبائل عرب میں تقسیم کرکے انہیں ان کی عبادت کا کہا تو عرب نے اسے قبول کرکے ان بتوں کی عبادت شروع کردی.

جاہلی اور بت پرستانہ آثارِ قدیمہ کے احیاء کا حکم کیا ہے؟:

جس جگہ بت اور مجسمے ہوں وہاں قصدا جانا حرام ہے، کیونکہ جس جگہ مجسمے اور تصاویر ہوں وہاں داخل ہونے سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے، جو کہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہاں جانا جائز نہیں، اور نہ ہی اس پر راضی ہونا جائز ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اسے باقی رکھنے کا نہیں کہا؛ بلکہ اسے مٹانے اور ختم کرنے کا حکم دیا ہے، اور وہاں داخل ہونے کی بھی ممانعت آئی ہے، جیسا کہ جب فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ بیت تشریف لائے تو آپ ﷺ نے بتوں کے ہوتے ہوئے بیت کے اندر جانے سے انکار کر دیا، چنانچہ آپ ﷺ نے بتوں کو نکالنے کا حکم دیا تو بتوں کو نکال دیا گیا، ان بتوں میں ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام کا مجسمہ بھی بنا ہوا تھا، مشرکین مکہ نے اپنے اعتقاد کے مطابق ان کے ہاتھ میں فال کے تیر پکڑائے ہوئے تھے، چنانچہ نبی کریم نے فرمایا: اللہ انہیں تباہ و برباد کرے، اللہ کی قسم انہیں معلوم ہے کہ ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام نے کبھی بھی یہ تیر فال کے لیے استعمال نہیں کیے تھے.

چنانچہ بت شکنی کے بعد نبی کریم بیت اللہ میں داخل ہوئے اور چاروں کونوں میں تکبیر بلند کی، اور اس میں نماز ادا نہیں فرمائی جیسا کہ صحیح بخاری میں وارد ہے.

اور ایسے ہی نبی کریم جس گھر میں تصویر ہوتی وہاں داخل نہیں ہوئے، اور آپ نے مصوروں کو وعید بھی سنائی کہ انہیں روزِ قیامت عذاب دیا جائیگا، فرمان نبوی ہے:
یقینا جس گھر میں تصاویر ہوں وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے. صحیح بخاری.

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مجسموں اور بتوں والی جگہ پر قصدا جانا جائز نہیں ہے، چاہے سیر و تفریح اور صرف دیکھنے کے لیے ہی ہو، اور خاص کر ان عجائب گھروں میں جانا تو بالکل جائز نہیں جہاں پر دورِ جاہلیت کے بت اور بادشاہوں کے مجسمے رکھے ہوں، جن کی دورِ جاہلیت میں عبادت اور تعظیم کی جاتی تھی.

ایسے ہی جس کام کو سرانجام دینا اور اس پر عمل کرنا حرام قرار دیا گیا ہو اسے دیکھنا اور اس سے تفریح حاصل کرنا بھی حرام ہوتا ہے، کیونکہ اسے دیکھنا اور پسند کرنا اور برائی سے بغض رکھنے میں تعارض پایا جاتا ہے.

اور پھر بتوں اور مجسموں کو دیکھنے کر تفریح حاصل کرنا تو ان بتوں اور مجسموں کی بقا اور ان کی دیکھ بھال کا باعث بنتا ہے، خاص کر کچھ عجائب گھر والے تو اندر داخل ہونے کی ٹکٹ بھی فروخت کرتے ہیں، بلاشک و شبہ ان عجائب گھروں کی ٹکٹوں سے حاصل شدہ آمدنی کو ان مجسموں اور بتوں کی دیکھ بھال ہوتی ہے، اس طرح یہ مال ان بتوں اور مجسموں کی بقا میں معاونت کا باعث ہوگا.

چنانچہ بت پرستانہ اور جاہلی آثارِ قدیمہ کی سیر و سیاحت کرنے جانا شرعا حرام ہے، چاہے بتوں کے یہ آثار دوران کھدائی ملنے والی اصل جگہ پر ہی ہوں، یا پھر انہیں عجائب گھر یا کسی عبادت خانے یا نمائش میں رکھا گیا ہو، اس کا حکم حرام ہی ہوگا.

جاہلیت کی اصطلاح سے یہاں اگر جزیرۃالعرب کے مشرکین کی ظلالت و گمراہی مراد ہے تو پھر یہ اصطلاح عام مفہوم کے اعتبار سے فرعونی اور بابلی و فینقی آثار قدیمہ کو بھی شامل ہوگی، یہ بھی جاہلیت کے آثار ہیں جو کہ ہدایت ربانی کے مخالف ہیں، اور نبی کریم کی بعثت سے قبل ہر ضلالت و گمراہی اور کفر و الحاد جاہلیت کے معنی میں آتا ہے.

یہاں یہ اشارہ کرنا ضروری ہے کہ آثارِ قدیمہ کا علم اور اس کے حصول کے لیے جدید دور میں کی جانے والی کھدائی صرف اور صرف مغربی علم ہے، اس کا مسلمانوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، بلکہ مسلمانوں نے تو اس کی عدم اہمیت کی بنا پر اسے تو قابل توجہ ہی نہیں سمجھا.

مسلمانوں کے ہاں تو آثار کا اطلاق نبی کریم ﷺ کے اقوال، افعال، اور آپ کی سیرت کی مرویات پر کیا جاتا ہے، جن کتب میں نبی کریم ﷺ کی احادیث اور سلف صالحین کے اقوال جمع کیے جائیں ان کتب کو کتب آثار کہا جاتا ہے.

لیکن اہل لغت کے ہاں آثار کے معانی میں وسعت ہے، اہل لغت کے ہاں آثار ایسا علم ہے جس میں راسخ علماء کرام کے دین و دنیا کے معاملات میں اقوال وافعال اور ان کی سیرت جمع کی جائے.

دو صدیاں قبل تو آثار کی اصطلاح سے یہی معنی مراد لیا جاتا تھا،

لیکن علم الآثار کی موجودہ اصطلاح جس میں اسے ایک مستقل علم بنا دیا گیا جس کے مقدمات و آلات اور نظریات ہیں، اور اسے عصری معروف اصطلاح میں علوم انسانیہ میں شمار کیا جاتا ہے، یہ صرف اور صرف مغربی ویورپی ایجاد ہے.

یہ ان کے ہاتھوں ہی پروان چڑھی بنی، بلکہ انہوں نے مسلمان ممالک میں بھی شروع کر دیا، اور اس کے لیے اعلی مناصب اور عہدے بنا دیے، اس سلسلہ میں تالیفات کیں اور تیسز لکھے.

اوپر کی سطور میں بیان کردہ کلام سے فرق واضح ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کے ہاں آثار سے کیا مراد ہے اور اس کے کیا اہداف ہیں، لیکن مادہ پرست یورپ کے ہاں آثار کی سرچ کرنا اسے تہذیب و تمدن شمار کیا جاتا ہے.

بہت ہی افسوس کی بات ہے کہ اس وقت مسلمان کے ہاں بھی زمین کے نیچے دبے قلعوں اور مجسموں و ڈھانچوں وغیرہ اور پہلی امتوں کے تباہ شدہ آثارِ قدیمہ کو تہذیب و تمدن شمار کیا جانے لگا ہے، اور یہ بھول گئے ہیں وہ امتیں اسوقت اپنی جیسی

مخلوق کی عبادت میں مشغول تھیں، اور ان میں لسانی اور قومی طبقات پائے جاتے تھے، جس کا دین اسلام نے رد کیا اور اسے غلط قرار دیتے ہوئے انسانیت کو مخلوقات کی عبادت سے نکال کر خالق کی عبادت میں لگایا ہے، انسان کے لیے یہی حقیقی آزادی ہے جو اسلام لایا ہے کہ نفع مند علوم کو نشر کیا جائے، اور لوگوں کو دین کی سمجھ فراہم کی جائے، اور ان کی ضروریات و حاجتیں پوری کی جائیں، اور معاشی و فکری امن پیدا کیا جائے، اور معیشت بھی پر امن ہو.

اسی بناپر ہم دیکھتے ہیں کہ جاہلیت اور بت پرستانہ آثارِ قدیمہ مختلف قسم کے عقدی انحرافات پر مشتمل ہیں، جو کہ ایک وقت تک دور جاہلیت میں نوع انسانی میں پائے جاتے تھے، حتی کہ معاشرے میں جہالت عام ہو گئی اور ضلالت و گمراہی پھیل کر عمومی شکل میں ایک ناسور بن گئی اور معاشرے میں ترقی رک گئی.

لیکن اس کے بر عکس اسلامی معاشرہ اپنے سنہری دور میں قوتِ علم نافع کے ساتھ پہچانا جاتا تھا، اس میں اسلامی مدارس کھولے گئے، اور مختلف علوم کے لیے خاص یونیورسٹیاں کھولی گئیں، اور اس دور میں فائدہ من کتب کی تالیفات کثرت سے ہوئی.

اس علمی سرچ سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ: مستشرقین کے ہاں جس معنی اور مفہوم میں آثارِ قدیمہ کو علم مانا جاتا ہے یہ اصلاً مغرب و یورپ کی ایجاد ہے، اس کا

مسلمانوں سے کسی بھی قسم کا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں، اور یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ آثارِ قدیمہ کے لیے تاریخ ایک ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ تاریخ کی تنقیص ہو رہی ہے، یا پھر تاریخ کو پھینکا جا رہا ہے اور اس سے اجتناب کا کہا جا رہا ہے؛ بلکہ تاریخ تو نئی نسل کو پہلے لوگوں سے ملانے کا طریقہ ہے، اور امتوں اور قوموں کی تاریخ جاننا بہت ہی اہم ہے، ایک مقولہ ہے: جس قوم کا ماضی نہیں، اس کا حاضر بھی کچھ نہیں.

چنانچہ تاریخ ایک ایسا قیمتی علم ہے جس کے بہت فوائد ہیں، اور انتہائی اہم ہے، کیونکہ اسی تاریخ کے ذریعہ ہی ہم پہلی امتوں کے اخلاق اور انبیاء کرام کی سیرت کا علم حاصل کرتے ہیں، اور بادشاہوں کی سیاست و حکومت کا علم ہوتا ہے، حتی کہ دین و دنیا کے احوال میں اقتداو پیروی کے فائدہ کی تکمیل بھی ہوتی ہے.

جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول ہے:

" دانشمندوں کے لیے اللہ سبحانہ و تعالی کا اپنے بندوں، امتوں کے طریقہ اور ان کی عادات میں ایام کو پھیرنے کے طریقہ وسنت میں نشان عبرت ہے"

اللہ سبحانہ و تعالی نے اپنے نبی مکرم ﷺ اور خلفاء اربعہ اور بعد کے علماء و قائدین و فاتحین کی روشن سیرت و تاریخ کے ذریعہ مسلمانوں کو باقی تاریخ سے مستغنی کر دیا ہے، ان کی ایسی تاریخ ہے جس سے آج مسلمانوں کی عقلیں خیرہ ہو جاتی ہیں، تا

کہ وہ ان کی سیرت و اخلاق اور صبر و تحمل اور جد و جہد اور کوشش سے نصیحت حاصل کریں، ان لوگوں کی جہود و کوششوں کا ثمر آج تک مسلمان کاٹ رہے ہیں اور ہر مفید و نافع سے فائدہ حاصل کر رہے ہیں، یہی وہ تاریخ ہے جس کا آج مسلمان شخص محتاج و ضرورت مند ہے.

لیکن تباہ شدہ پہلی امتوں اور جاہلیت و فراعنہ اور بابلی وغیرہ بت پرستانہ تاریخ و آثار کی مسلمانوں کو کوئی ضرورت نہیں، صرف اتنا ہے کہ مسلمان ان تباہ شدہ قوموں کو ان کے کفر و ضلالت و سرکشی کی بنا پر جو عذاب ہوا اس سے عبرت ضرور حاصل کرنا چاہیے، تاکہ وہ ان جیسے افعال سے بچ کر رہیں اور اجتناب کرتے رہیں.

پرانی تاریخ معلوم کرنے کا شغف اور گزری ہوئی امتوں کی تعظیم اور ان پر فخر تو اس وقت شروع ہوا ہے جب سے آثارِ قدیمہ کا علم معرض وجود میں آیا، اور اس کا اہتمام کیا جانے لگا، اس کے باعث مسلمان لوگ جس فتنہ کا شکار ہوئے ہیں اور غیر اسلامی کاموں میں پڑ کر صحیح عقیدہ میں خلل آنا شروع ہوا ہے وہ صرف اور صرف اسی بت پرستانہ آثارِ قدیمہ کی بنا پر ہوا ہے، کہ کھدائی کر کے بت نکالے گئے، اور قبروں کا احیاء کر کے اس میں غلو اور ان کی تعظیم و تقدیس شروع کر دی گئی، اور قومی تعصب پیدا ہوا یہ سب دینِ اسلام کے منافی ہے.

بحر حال حاصل یہ ہوا کہ: دین اسلام کے علاوہ کسی اور کی نسبت کرنا اور اس پر فخر کرنا جاہلیت کے امور میں شامل ہوتا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ:

نبی کریم ﷺ نے جب انصار اور مہاجرین کے یہ الفاظ سنے: اے انصار ہماری مدد کرو، اے مہاجرو ہماری مدد کے لیے آؤ، تو رسول کریم ﷺ نے سنتے ہی ان الفاظ سے روکتے ہوئے فرمایا:

"کیا بات ہے جاہلیت کی آوازیں لگائی جارہی ہے؟"

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو یہ تو بڑی قبیح اور بدبودار ہے" صحیح بخاری.

چنانچہ سابقہ بیان کردہ وثنیات و بت پرستانہ، یا کسی قبیلہ و قومیت یا عرب یا انسانیت وغیرہ کا نعرہ لگا کر عزت و شرف حاصل کرنا یہ سب جاہلی امور میں شامل ہوتا ہے، چنانچہ جاہلیت اور اہل جاہلیت سب مذموم ہیں، بلکہ جو کچھ بھی جاہلیت کی طرف منسوب ہے وہ بھی مذموم ہے، مثلا جاہلی حمیت اور گمان، اور جاہلی بے پردگی، دور جاہلت کی تعزیت، اور دور جاہلیت کے بطور مدد بلانے والے نعرے، اور جاہلیت والے فیصلے.

اس لیے مسلمانوں کو دین اسلام کی عزت وشرف حاصل کرنے کی بجائے جاہلیت اور اہل جاہلیت کی طرف منسوب ہو کر فخر کرنا جائز نہیں، اور نہ ہی مسلمان کے شایان شان ہے؛ کیونکہ ایسا کرنا تو جاہلت کا احیاء ہے جسے اللہ سبحانہ و تعالی نے دین اسلام کے ساتھ ختم کر دیا ہے، اور اس کے بدلے میں مسلمانوں کو دین اسلام جیسے بہترین دین سے نوازہ.

رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے:

"اسلام بلند و بالا ہے اور کوئی بھی دین اس پر بلند نہیں ہو سکتا" صحیح الجامع (1/538).

امام حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک حاکم میں امیر المومنین عمر بن خطاب کا قول نقل فرمایا ہے:

" ہم ایسی امت ہیں جسے اللہ تعالی نے دین اسلام کے ساتھ عزت و شرف دیا ہے اس لیے جب بھی ہم نے دین اسلام کے علاوہ کسی اور چیز کے ساتھ عزت و شرف حاصل کرنے کی کوشش کی تو اللہ سبحانہ و تعالی ہمیں ذلیل کر دے گا"

خلاصہ یہ ہوا کہ:

- یقینا اللہ سبحانہ و تعالی نے مسلمانوں کو افضل البشر ہمارے نبی محمد ﷺ اور ان کے خلفاء اور آئمہ کرام اور قائدین عظام اور فاتحین ، اور علماء کرام کی سیرت و تاریخ سے نواز کر باقی سب تاریخ سے مستغنی کر دیا ہے، اسلامی تاریخ و سیر کو پڑھ

کر مسلمان کی عقل خیرہ ہو جاتی ہے، اور انہیں جاہلی تاریخ سے تعلق رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی، اور اگر یہ جاہلی تاریخ ثابت بھی ہو جائے تو اس کا نفس کی اصلاح میں کوئی اثر تک نہیں ہوگا.

- دین اسلام سے منسوب ہو کر عزت و شرف حاصل کرنے کی بجائے کسی ایسے جاہلی امور کی طرف منسوب ہو کر عزت و شرف کا حصول ہر حالت میں قابل مذمت ہے کیونکہ اللہ نے مسلمانوں کو جاہلیت کے بدلے دین اسلام کی عزت و شرف سے نواز رکھا ہے.

چنانچہ وثنی و بت پرستانہ آثار کی سیر وسیاحت اور ان آثار کا احیاء شرعاً حرام ہے، چاہے وہ بت ہوں یا مجسمے اپنی آثارِ قدیمہ کی کھدائی والی جگہ پر ہوں یا انہیں عجائب گھر یا پھر نمائش گاہ میں رکھا گیا ہو.

قبروں اور مزاروں کے آثار

قبر سے مراد: میت کے دفن کی جگہ کو قبر کہتے ہیں چاہے وہ قبر لحد کی شکل میں ہو یا شق (سیدھی).

مزار سے مراد: قبر پر بنایا گیا گنبد و قبہ اور عمارت وغیرہ مراد ہے.

قبروں اور مزاروں کے احیاء و دیکھ بھال کا حکم:

اسے تین مسائل میں بیان کیا جاسکتا ہے:

پہلا مسئلہ : قبروں پر عمارت بنا کر اور قبر کو پختہ اور اس پر چراغاں کر کے قبر کا احیاء کرنا:

مسلمان آئمہ کرام کا قبر کو پختہ کرنے اور قبر پر مساجد بنانے کی حرمت پر اتفاق ہے؛ اس کی حرمت پر شرعی نصوص پائی جاتی ہیں جن میں قبروں پر عمارت وغیرہ تعمیر کرنے، اور قبر کو پختہ کرنے، چراغاں کرنے کی ممانعت پائی جاتی ہے، اور اگر قبر پر کچھ بنایا گیا ہو تو اسے گرانے کا حکم ہے.

قبروں کو پختہ کرنے، اور چراغاں کرنے اور ان پر مزارات بنانے کی حرمت کے دلائل دو قسم کے ہیں:

پہلی قسم: وہ دلائل جن میں قبروں پر عمارت وغیرہ تعمیر کرنے اور قبر کو پختہ کرنے کی حرمت وارد ہے، درج ذیل ہیں:

1 – جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ کرنے، اور اس پر بیٹھنے (قبر پر بیٹھنا یا پھر مجاور بننا) اور قبر پر کچھ تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے. صحیح مسلم.

اس حدیث سے کئی ایک مسائل اخذ ہوتے ہیں:

أ – نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر کو پختہ کرنے اور اس پر کچھ تعمیر کرنے سے روکنا، اصل میں نہی تحریم کے لیے ہوتی ہے، اور روکے گئے کام کے فاعل کو گناہ ہوتا ہے.

ب– تحریم کا عموم دو طرح سے ہے:

اول: اس میں سب قبروں والے شامل ہونگے، چاہے وہ قبریں انبیاء کی ہوں یا اولیاء یا صالحین کی؛ کیونکہ یہ شرک کا ذریعہ ہے.

دوم: قبروں ہر قسم کی تعمیر کرنے کی ممانعت: چاہے مسجد ہو یا قبہ و گنبد، یا چھت و مزار یا کچھ بھی قبر پر تعمیر اور نصب کر دیا جائے وہ ممانعت میں شامل ہے۔

2 – سنن نسائی میں جابر رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر کچھ تعمیر کرنے، یا اس پر کچھ زیادہ کرنے سے منع فرمایا...."

اس حدیث میں قبر کی مٹی کے علاوہ اور کچھ زیادہ کرنے کی ممانعت آئی ہے، اور یہ کہ قبر زمین سے ایک یا دو بالشت سے زیادہ بلند نہ ہو؛ تاکہ پہچان ہو جائے اور اس قبر کی نہ تو اہانت ہو اور نہ ہی اس کی دیکھ بھال کی جا سکے، قبر پر کچھ تعمیر کرنے اور قبر کو ایک یا دو بالشت سے بلند کرنے کی ممانعت میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ قبروں کو برابر کرنے سے مراد یہ ہے کہ قبر پر شرعی حد سے زائد جو کچھ بنا ہوا ہے اسے گرا کر برابر کر دیا جائے۔

3 – صحیح مسلم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

خبردار تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو مساجد بنا لیتے تھے، خبردار تم قبروں کو مسجدیں مت بناؤ، یقینا میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔

اور صحیح بخاری میں ہے کہ جب حبشہ میں ایک چرچ کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جب ان میں کوئی نیک و صالح شخص فوت ہو جاتا تو وہ

اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے، پھر اس میں انہوں نے یہ تصاویر بنا لیں، اللہ تعالی کے بدترین مخلوق یہی لوگ ہیں. صحیح بخاری.

ان لوگوں نے قبر اور مجسمے دونوں فتنوں کو اکٹھا کر لیا.

یہ دونوں حدیثیں قبر کی جانب رخ کر کے نماز ادا کرنے کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں، اور قبروں پر سجدہ کرنے اور قبروں پر مساجد بنانے کی حرمت کی دلیل ہیں، اور اس بات کی دلیل ہے کہ ایسا کرنا کبیرہ گناہ ہے، اور اس کا مرتکب شخص روز قیامت اللہ کے ہاں شریر ترین مخلوق میں شامل ہوگا.

قبروں کو مسجد اور سجدہ گاہ بنانے کے تین معنی ہیں:

أ – قبروں پر نماز ادا کرنا بھی قبروں پر سجدہ کے معنی میں ہی آتا ہے.

ب – قصدا قبروں کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرنا، اور نماز اور دعاء کے وقت قبر کی طرف رخ کرنا.

ج – قبروں پر مسجد بنانا.

قبروں پر مسجدیں بنا لینا، یا پھر بغیر کسی عمارت تعمیر کیے ہی قبروں کو سجدہ گاہ بنانا شرعاً حرام اور کبیرہ گناہ ہے، اس کا مرتکب گنہگار ہوگا.

4 – ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

نبی کریم ﷺ مرض الموت میں اپنی چادر اپنے چہرے پر ڈالتے اور جب سانس گھٹنے لگتا تو چہرے سے اتار لیتے، آپ ﷺ نے اسی حالت میں فرمایا: اللہ تعالی یہود و نصاری پر لعنت فرمائے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو مسجدیں بنا لیا" نبی کریم ﷺ اپنی امت کو ان کے اس فعل سے بچنے کا کہہ رہے تھے، عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: اگر قبر کو مسجد بنانے کا خدشہ نہ ہوتا تو آپ ﷺ کی قبر ظاہر طور پر باہر ہوتی. صحیح بخاری.

نبی کریم کی جانب سے اپنی امت کو ڈرایا گیا ہے کہ وہ بھی ایسا نہ کریں جس طرح یہود و نصاری نے کیا، اور پھر اسی فعل کی بنا پر وہ اللہ کی لعنت کے مستحق ٹھرے، اور اس طرح اگر اس امت میں کوئی اس فعل کا مرتکب ہو گا تو وہ بھی انہیں کی طرح ہے.

5 – قبروں پر چراغاں کرنے والے پر لعنت وارد ہے، حدیث میں نبی کریم کا فرمان ذی شان ہے:

اللہ تعالی قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائے، اور قبروں پر مسجدیں بنانے اور چراغاں کرنے والے پر بھی اللہ کی لعنت ہو. صحیح ابن حبان.

قبروں پر چراغاں کرنا کئی اسباب کی بنا پر اللہ تعالی کی لعنت کا موجب ہے:

أ ـ قبروں پر چراغ جلانا قبروں کی تعظیم ہے، اور قبروں کی تعظیم غلو و فتنہ کا باعث ہے.

ب – قبروں پر چراغ جلانا کبیرہ گناہ ہے؛ اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم نے ایسا کرنے والے پر نبی کریم ﷺ نے لعنت فرمائی ہے.

ج – اس میں مجوسیوں سے مشابہت پائی جاتی ہے.

د ـ اس میں بغیر کسی فائدہ کے مال کا ضیاع کا ہی نہیں؛ بلکہ نقصان ہے.

دوسری قسم: وہ دلائل جن میں قبروں پر بنائی گئ عمارت و تعمیر کو گرا کرزمین سے برابر کر دینے کا حکم ہے:

1 – امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے ایک تابعی کویہ فرماتے ہوئے وصیب فرمائی: کیا میں بھی تمھیں وہی کام کرنے کی ذمہ داری نہ دوں جو کام کرنے کی ذمہ داری مجھے رسول کریم ﷺ نےدی تھی؟تمھیں جو بھی مجسمہ اور تصویر ملے اسے مٹا ڈالو، اور جو اونچی قبر ملے اسے گرا کر برابر کر دو. صحیح مسلم.

قبروں پر کچھ تعمیر کرنا بھی قبروں کو بلنداور اونچا کرنے میں ہی شامل ہوتا ہے جسے گرا کر برابر کرنے کا حکم نبوی ہے، اور اس کا عدم اقرار اس کی حرمت پر دلالت کرتا ہے.

2 – صحیح مسلم میں ہے کہ ثمامہ بن شفی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم روم کے علاقے جزیرۃ روڈس میں فضالہ بن عبیدؓ کے ساتھ تھے کہ ہمارا ایک ساتھی فوت ہو گیا، تو فضالہ بن عبیدؓ نے قبر کو برابر کرنے کا حکم دیا، اور پھر فرمانے لگے: میں نے رسول کریم ﷺ کو قبر کو برابر کرنے کا حکم دیتے ہوئے سنا ہے.

3 – نبی کریم کا مسجد ضرار کو منہدم کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ جو اس سے زیادہ فساد و خرابی کا باعث ہو اسے بھی منہدم کر دیا جائے، مثلا قبروں پر بنائی گئی مساجد اور قبے و گنبد؛ کیونکہ یہ اللہ کے رسول کی معصیت و نافرمانی پر قائم ہوئی ہیں، اور آپ کے حکم کی مخالفت ہے، اس میں اسلام کا حکم یہی ہے کہ اسے گرا کر زمین کے برابر کر دیا جائے.

4 – امیر المومنین عثمانؓ نے قبروں کو برابر کرنے کا حکم دیا تو لوگوں نے عثمانؓ کی بیٹی ام عمرو کی قبر کو چھوڑ کر باقی سب قبریں برابر کر

دیں، عثمان رضی اللہ عنہ نے دریافت کرتے ہوئے کہا: یہ کیا ہے؟ تو لوگوں نے جواب میں عرض کیا: یہ ام عمرو کی قبر ہے، عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے بھی برابر کرنے کا حکم دیا تو اسے بھی برابر کر دیا گیا۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں حسن سند کے ساتھ مروی ہے۔

5 – جب ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک قبر پر سائبان لگا ہوا دیکھا تو فرمانے لگے: بچے اسے اتار دو میت کو تو اس کے اعمال ہی سایہ کرینگے۔

صحابہ کرام سے مروی آثار سے قبروں پر قبے وغیرہ تعمیر کرنے اور انہیں مساجد بنانے کی حرمت ایسے ہی واضح ہوتی ہے جیسے دن میں سورج کی روشنی واضح ہوتی ہے۔

اور احادیث کی کتب میں اوپر بیان کردہ کے معانی میں کثیر احادیث موجود ہیں، امید ہے کہ اوپر جو کچھ بیان ہوا ہے حق کے متلاشی شخص کے لیے جسے اللہ نے بصیرت سے نوازا ہے حکم بیان کرنے کے لیے کافی اور اطمنان بخش ہوگا۔

اہم معلوم ہوتا ہے کہ اوپر بیان کردہ احادیث و آثار سے حاصل ہونے والے بعض فوائد اور وجوہاتِ حرمت بیان کردی جائیں:

1 – قبروں پر قبے و گنبد اور مساجد کی تعمیر یہود و نصاری کا فعل ہے، اور ان کا یہ عمل ان پر لعنت کا موجب بنا ہے، اور اس امت میں سے بھی اگر کوئی ایسا عمل کریگا تو وہ بھی لعنت مستحق ٹھرے گا.

اس معاملے میں غور و فکر کرنے والے کے لیے واضح ہوگا کہ قبروں پر قبےو گنبد وغیرہ کی تعمیر کرنے میں اہل کتاب سے مشابہت ہے، اور فوت شدگان کی تعظیم میں بت پرستوں سے مشابہت ہوتی ہے.

2 – قبروں پر گنبد وغیرہ تعمیر کرنا صاحب قبر میں غلو کا باعث و وسیلہ ہے، اور بدعات و شرکیات میں پڑنے کا ذریعہ ہے، اور یہ امرِ واقع ہے کہ اس وقت مزاروں اور قبروں پر یہی کچھ ہو رہا ہے.

3 – ابتدا میں جب قبروں پر قبے وغیرہ تعمیر کیےگئے اس کا مقصد میت کو فائدہ دینا تھا، نہ کہ میت سے فائدہ اٹھانا، اور یہ وقتی طور پر بنائےگئے نہ کہ مستقل، لیکن بعد میں سب کچھ اس کےبرخلاف ہوا، اور قبروں پر مساجد، و قبےاور گنبد اور مزارات کی تعمیر مستقل ہوگئ، اور میت سے فائدے کے حصول کا عقیدہ بنا کر میت کا توسل شروع ہو گیا، اور مدد مانگی جانےلگی، اور جو صرف اللہ سے مانگا جاتا تھا وہ بھی قبر والے سے مانگا جانے لگا.

4 – قبروں پر تعمیرات برائی و بدعت ہے، اور ان بدعات میں شامل ہوتی ہے جو صحابہ کرام کے انکار کے باوجود ان کےآخری دور میں شروع ہوئی، جیسا کہ ابن عمررضی اللہ عنہما نے ایک قبر پر سائبان لگا دیکھ کر انکار کرتے ہوئے اسے اکھاڑنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: بچے اسے اتار دو میت کو تو اس کے اعمال ہی سایہ کرینگے۔

5 – ہر بلند اور اونچی قبر اور ہر مزار، اور ہر تعظیم کیے جانےوالے آثار کو گرانا واجب ہے، کیونکہ یہ سب تعظیم اور غلو کا باعث بنتا ہے۔

6 – جب بت پرستی کی ابتداء ہی قبر سےکے فتنہ سے کی وجہ سے تھی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بنا پرتوحید الہی کو بچانے اور شرک کی بیخ کنی، اور اس شرک کی طرف لے جانے والےاسباب و ذریع ہکا ہی باب بند کرتے ہوئے اپنی امت کو اس فتنہ میں پڑنے سے منع کر دیا، کیونکہ ان وسائل میں سستی و کوتاہی کرنا شرک اکبر، اور دین اسلام سے بیدخل کی طرف لے جاتاہے۔

7 – شریعت اسلام کا قبروں پر مساجد کی تعمیراور چراغاں کرنے سے منع کرنے کی بناپر کوئی شخص یہ گمان نہ کر بیٹھے کہ اس میں صاحب قبر کی تنقیص ہوئی ہے؛ بلکہ

اس میں تو صاحب قبر کا اکرام واحترام ہے، اور ان کے متعلق صحیح منہج پر عمل کرنا ہے.

وہ اسطرح کہ قبروں کی زیارت کا مقصد تو میت کے لیے سلامتی و مغفرت کی دعاء اور وہاں جانے سے موت اور آخرت کی یاد ہے.

8 – قبروں کی زیارت اور قبروں کے احترام کا خیال رکھنا، جیسا کہ شریعت نے قبر پر بیٹھنے اور قبروں کو روندنے اور ان پر چلنےاور وہاں گندگی پھینکنے سے منع کیا ہے، نہ کہ قبروں پر مساجد و گنبد وغیرہ تعمیر کرکے بدعات کی ترویج کرکے قبروں کی دیکھ بھال واحیاء کرنا.

دوسرا مسئلہ: مزارات یا اسے سیاحتی مرکز اور یادگار کا نام دے کر قبروں کا احیاء

اس مسئلہ کا حکم بھی سابقہ مسئلہ کے حکم پر مرتب ہوتا ہے، کیونکہ قبروں کو یادگار، یا پھر مزار اور سیاحتی مرکز بنایا جائے تو پھر کم از کم وہاں کوئی عمارت بھی لازمی بنے گی اور چراغاں وروشنی بھی ہوگی، میں نے دلائل کے ساتھ سابقہ مسئلہ میں قبروں پر عمارت کی تعمیر اور وہاں چراغاں کرنے کی حرمت بیان کی ہے، اور یہ بھی بیان ہوا ہے کہ قبروں پر کیے جانے والے اعمال شرکیہ وسائل میں شامل ہوتے ہیں، چنانچہ قبروں کو ایک ورثہ وآثار بنانے میں دو مانع ہیں:

اول: قبر پر عمارت کی تعمیر، اس کا تفصیلی حکم اوپر کی سطور میں بیان ہو چکا ہے.

دوم: شرعی مخالفات کے ساتھ قبروں کا احیاء، اس کی تفصیل آگے بیان ہو گی.

قبروں پر مزار وغیرہ بنا کر اسے یادگار اور سیاحتی جگہ بنا نا مقاصد شرعیہ کے منافی ہے، قبروں کو یادگار اور سیاحتی مراکز بنانا کئی ایک وجوہات کی بنا پر حرام ہے:

1 – قبروں کی تعظیم شرعاً ممنوع ہے، اور ہر وہ عمل جو تعظیم کا باعث بنتا ہے اس کو شریعت اسلامیہ نے روک دیا ہے، بلاشک و شبہ قبریں پختہ وظاہر اور اونچی کرنا، ان پر چراغ جلانا اور عمارت تعمیر کرنا یہ سب اعمال قبروں کی تعظیم کا باعث بنتے ہیں.

2 – یہ سب کچھ دو اعتبار سے قبروں کی زیارت کے شرعی مقاصد کے مناقض و منافی ہے:

أ – اس میں فخر و ریاکاری اور دکھاوا ہے، اور قبریں ان کاموں کے لیے نہیں؛ کیونکہ موت کے ساتھ دنیاوی زیب وزینت ختم ہو جاتی ہے، اور قبریں تو آخرت کی سیڑھی میں شامل ہوتی ہے نا کہ دکھاوے کی جگہ.

ب – اس میں قبروں کی زیارت کے شرعی طریقہ کی مخالفت پائی جاتی ہے؛ کیونکہ عبرت کے ارادہ و قصد کے بغیر قبرستان کی زیارت ممنوع ہے، اور اگر ایسا کیا جائے تو یہ بدعت اور غیر شرعی ہے.

3 – جب قبر ایک یادگار و مزار بن چکی ہو تو پھر قبر پر تعمیر بھی ہوگی اور اسے پختہ بھی کیا جائیگا، اور روشنی و چراغاں بھی ہوگا، اس پر کتبے بھی لگیں گے، اور یہ سب کچھ قبروں کی زیارت کے شرعی طریقہ کے خلاف و منافی ہے.

4 – یہ سب کچھ صاحب قبر میں غلو کا وسیلہ و ذریعہ اور بدعات و شرکیات میں پڑنے کا وسیلہ ہے، اور بہت ساری قبروں پر اس وقت یہی کچھ ہو رہا ہے.

5 – ایسا کرنا قبروں کو میلہ گاہ اور وہاں اجتماع یا پھر بار بار زیارت کا باعث بنے گا.

6 – یہ اہل جاہلیت کے بت پرست مشرکین اور اہل کتاب کفار کی مشابہت ہے.

7 – یہ کام بغیر کسی فائدہ و مصلحت کے فضول خرچی اور مال کے ضیاع کا باعث ہے.

اس کلام سے قبروں کو یادگار بنانے کی حرمت بالکل واضح ہو جاتی ہے، اس کی حرمت کی واضح وجہ یہ ہے کہ: قبروں کے شرعی طریقہ اور مقاصدِ شرعیہ کے بھی مخالف ہے.

لیکن اگر قبروں پر مزارات بنائے گئے ہوں اور وہاں ایسی منکرات کا ارتکاب کیا جاتا ہو جو شرک تک جا پہنچیں، تو یہاں مردوں کا جانا بھی شرعاً ممنوع ہوگا، یہ ممانعت حرام نہیں کیونکہ اصلا تو قبروں کی زیارت جائز ہے، لیکن یہاں یہ حرمت صرف شرکیہ امور اور بدعات کی بنا پر ہے، لیکن ایسا شخص جس میں وہاں جا کر انہیں اس شرک و بدعت سے روکنے اور ختم کرنے کی استطاعت و طاقت ہو تو اس کے لیے وہاں جانا جائز ہوگا.

خلاصہ :

امت کے سلف علماء کرام نے صریح نصوص شرعیہ کی مخالفت کی بنا پر قبروں پر قبے و عمارتیں اور مزارات کی تعمیر اور ان کی تعظیم کی وجہ سے شدید ترین مخالفت و انکار کیا ہے.

تیسرا مسئلہ : مسلمان شخص کا قبروں اور یادگاروں کی زیارت کرنا:

قبروں اور یادگاروں کی زیارت کا حکم بھی ہیئت و شکل مختلف ہونے کی بنا پر مختلف ہوگا: اور اس کی دو حالتیں ہیں:

أ ـ شرعی قبریں: جن پر نہ تو کوئی عمارت تعمیر ہو اور نہ ہی وہ زمین سے دو بالشت سے اونچی ہو.

ب ـ بدعتی یادگاریں اور مزارات: جن قبروں پر مساجد یا قبہ و گنبد تعمیر ہو یا پھر سائبان و خیمہ لگایا گیا ہو.

پہلی حالت: والی قبروں کی زیارت کا شرعی حکم:

ابتدائے اسلام میں قبروں کی زیارت منع کر دی گئی تھی، لیکن پھر بعد میں اس کی اجازت دے دی گئی، بعض علماء کرام نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ: ابتداء میں بطور شرک کا ذریعہ روکنے کے لیے پابندی لگائی تھی، کیونکہ مسلمان ابھی نئے نئے تھے، پھر جب توحید الہی ان کے دلوں میں جا گزیں ہو گئی تو انہیں شرعی آداب کو بروئے کار لاتے ہوئے زیارت کی اجازت دے دی گئی، تا کہ دل قبروں اور اصحاب قبور سے تعلق نہ جوڑ شرک اور غلونہ کرنے لگیں.

ابتداء میں مرد و عورت سب کے لیے قبروں کی زیارت ممنوع تھی، لیکن پھر دونوں کو اجازت دے دی گئی، اور عورتوں کو زیارت سے منع کر کے صرف مردوں کو جانے کی اجازت برقرار رہی؛ کیونکہ عورتیں قبروں کے پاس صبر کا دامن چھوڑ دیتی اور میت کو یاد کر کے جزع فزع کرنے لگتیں ہیں، چنانچہ اللہ تعالی

کی حکمت تھی کہ عورتوں کو زیارت قبور سے منع کر دیا تا کہ وہ جزع فزع کے فتنہ میں نہ پڑیں، یا لوگ ان عورتوں کی وجہ سے فتنہ خرابی میں پڑیں.

راجح قول کے مطابق عورتوں کا علی الاطلاق قبرستان جانا درج ذیل دلائل کی بنا پر حرام ہے:

فرمان نبوی ﷺ ہے: قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اللہ تعالی لعنت فرمائے" صحیح ابن حبان.

اور ایک روایت میں فرمان ذی شان ہے: اللہ کثرت سے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائے. مستدرک حاکم میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے.

لعنت صرف حرام کردہ عمل سرانجام دینے سے ہی ہوتی ہے.

جمہور فقاء کرام کے قول کے مطابق مرد حضرات کے لیے قبروں کی زیارت کرنا مستحب ہے، اس کی دلیل درج ذیل فرمان نبوی ﷺ ہے:

1 – "میں نے تمہیں قبروں کی زیارت کرنے سے منع کیا تھا، لیکن اب قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ قبروں کی زیارت سے آخرت یاد آتی ہے.. " مستدرک حاکم میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے.

2 – نبی کریم نے خود بھی اپنی والدہ، اور شہداء احد اور بقیع قبرستان کی زیارت فرمائی تھی.

شرعی طریقہ سے قبروں کی زیارت کرنے کے دو مقصد ہیں:

اول: اس کا تعلق میت پر سلامتی و مغفرت کی دعا ہے، نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو قبروں کی زیارت کا طریقہ سکھاتے ہوئے فرمایا: قبرستان جا کر یہ کہا کرو:

السلام علیکم اہل الدیار من المومنین والمسلمین وانا ان شاء اللہ للاحقون، اسأل اللہ لنا ولکم العافیۃ"

اے مومنو اور مسلمانو! تم پر سلامتی ہو، اور ان شاء اللہ یقینا ہم بھی تمہارے ساتھ آکر ملنے والے ہیں، میں اپنے اور تمہارے لیے عافیت کا طلبگار ہوں" صحیح مسلم.

دوم: اس کا تعلق زیارت کرنے والے زندہ شخص کے ساتھ ہے؛ اسے چاہیے کہ نبی کریم کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے سنت کی اتباع کرے.

فرمان نبوی ﷺ ہے: قبروں کی زیارت کیا کرو، کیونکہ یہ تمہیں موت یاد دلاتی ہیں" صحیح مسلم.

چنانچہ عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ موت اورآخرت کی یاد اور مخلوق میں چاہے وہ نبی یا ولی ہی ہو کسی کو بقاء و دوام نہیں کو ذہن نشین کرنے کے لیے قبروں کی زیارت کرنا مشروع ہے.

قبروں کی زیارت میں اس کے علاوہ کوئی اور شرعی راز نہیں، اس لیے اگر کوئی شخص اس مقصد کے علاوہ کوئی اور اعتقاد رکھتا ہے تو اللہ اور اس کے رسولﷺ کی مخالفت کر رہا ہے.

مسلمان کا قبروں کی زیارت کے متعلق حکم اور اس سے حاصل شدہ امور تین حالات پر مشتمل ہے:

1 - شرعی. **2 -** بدعتی **3 -** شرکیہ.

پہلی حالت: شرعی زیارت:

نبی کریم نے مسلمان کو یہ اجازت مرحمت فرمائی ہے؛ لیکن اس میں اسے شرعی اصول وضوابط کو مدنظر رکھنا ہوگا، تاکہ شرک کا باب بند ہو، اور توحید الٰہی کی حفاظت ہو سکے، اور شرعی آداب کا خیال رکھے؛ کیونکہ مسلمانوں کی قبروں کو حرمت حاصل ہے، اس لیے کہ یہ میت کا گھر ہونے کی وجہ سے شریعت نے کچھ آداب متعین کیے ہیں جنہیں زیارت کے وقت اختیار کرنا ضروری ہے، اور کچھ اصول و ضوابط بنائے ہیں ان کا التزام کرنا بھی ضروری ہے.

مسلمان شخص کے لیے زیارت قبور سے قبل درج ذیل شرعی اصول و ضوابط اختیار کرنا ضروری ہیں:

1 – قبر کے پاس جمع ہو کر یا بار بار مسلسل زیارت کر کے اسے میلہ گاہ نہ بنایا جائے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ذی شان ہے:

" تم اپنے گھروں کو قبریں مت بناؤ، اور تم لوگ میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنا لینا.. ابو داود میں صحیح سند سے مروی ہے.

اور ایک روایت میں فرمان نبوی ہے: " تم میری قبر کو میلہ گاہ مت بناؤ" مسند احمد میں حسن سند کے ساتھ مروی ہے.

چنانچہ قبروں کو مسجد و سجدہ گاہ اور تہوار و میلہ بنا کر اس کی جانب ویسے ہی زاد راہ لے کر ثواب کی نیت سے سفر کر کے جانا جس طرح تین مساجد (مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصی) کی جانب سفر کیا جاتا ہے شرک کا پیشہ خیمہ بننے والی شدید ترین بدعت ہے.

2 – قبروں کی زیارت کے لیے زاد راہ لے کر ثواب کی نیت سے سفر نہ کیا جائے کیونکہ زاد راہ لے کر ثواب کی نیت سے سفر تو صرف تین مساجد کے لیے ہی کیا جا سکتا ہے فرمان نبوی ﷺ ہے:

" تم تین مساجد مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصی کے علاوہ کہیں بھی زاد راہ لے کر ثواب کی نیت سے سفر مت کرو" صحیح بخاری.

کچھ لوگ خاص ایام و تہوار کے مواقع پر بعض انبیاء کی قبروں کے لیے سفر کی غلطی کرتے ہیں، انہیں اس غلطی پر متنبہ کرنا ضروری ہے کہ ان کا یہ عمل دو وجہ سے صحیح نہیں:

1 – مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ کی قبر کے علاوہ جتنی بھی قبریں انبیاء کے نام سے معروف ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں، ابراہیم علیہ السلام کے قبر کے متعلق یقینی اختلاف ہے کیونکہ ان کی قبر کے متعلق کوئی صحیح خبر و حدیث وارد نہیں ہے.

اس سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ معضل و اہی قسم کے آثار مروی ہیں، جو قابل التفات تک نہیں، اور انہیں روایت کرنے والے بھی بدعتی قسم کے لوگ ہیں.

جبکہ انبیاء کرام کی قبور کا علم بھی ہو جائے تو اس میں کوئی شرعی فائدہ نہیں ہے، اور انہیں محفوظ رکھنا کوئی دین نہیں، اگر یہ دین میں ہوتا تو اللہ سبحانہ و تعالی باقی دین کی طرح ان کی قبریں بھی محفوظ فرما دیتا، اور جو لوگ بھی انبیاء کے قبروں کے متعلق دریافت کرتے ہیں وہ تو صرف اس لیے پوچھتے ہیں کہ وہاں جا کر دو رکعت نماز ادا کریں، اور دعاء وغیرہ کر لیں، جو کہ ممنوعہ عمل اور بدعت میں شمار ہوتا ہے.

2 – مندرجہ بالا دلیل کی بناپر قبر کے لیے سفر کرنا جائز نہیں ہے چاہے وہ قبر کسی کی بھی ہو، یہ بات معلوم شدہ ہے کہ بلاشک و شبہ نبی کریمﷺ کی قبر سب سے اعلی وافضل ہے، کیونکہ نبی کریم افضل الانبیاء اور سید المرسلین ہیں، اور علی الاطلاق افضل البشر ہیں، لیکن اس کے باوجود آپ کی قبر کی زیارت بھی عام قبروں کی طرح ہی ہوتی ہے؛ اور سلام پیش کرنے کے ساتھ ساتھ عبرت ونصیحت اور موت کی یاد آتی ہے.

لہٰذا جب نبیﷺ کی قبر کے پاس کوئی مسلمان شخص یہ عمل کرتا ہے تو پھر کسی ولی و صالح شخص کی قبر تو اولی وزیادہ بہتر ہے کہ وہاں غلط کام نہ کیے جائیں.

قبروں کی زیارت کرتے وقت زائر کو درج ذیل ممنوعہ اعمال سے اجتناب کرنا چاہیے:

1 - قبر پر مجاور بن کے یا پھر قبر کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھنا.

2 – قبر پر چلنا یا اسے روندنا.

3 – دیناوی معاملات کی باتیں کرنا.

4 – آواز بلند کرنا.

5 – گندگی اور نجاست وغیرہ پھینکنا.

قبروں کے متعلقہ ممنوعہ امور سے درج ذیل محاسن اور کمال شریعت ثابت ہوتے ہیں:

1 - میت کے دفن ہونے والی جگہ کا اکرام.

2 - مسلمان میت کا قبر میں بالکل اسی طرح احترام ہے جیسے اس کے دنیاوی گھر میں ہوتا تھا؛ کیونکہ قبریں میتوں کا گھر ہیں.

زیارت شرعیہ میں اہل قبر کی تعظیم کا عنصر نہیں پایا جاتا، اور نہ ہی زائر کو میت کی کوئی حاجت و ضرورت ہے، اور نہ ہی اس سے مانگنے اور کچھ طلب کرنے کی ضرورت ہے، اور نہ ہی اس کا وسیلہ دیا جا سکتا ہے؛ بلکہ قبروں کی زیارت میں تو صرف زندہ شخص کا فائدہ ہے کہ وہ میت کے لیے رحمت و مغفرت کی دعا کرتا ہے، اور یہ چیز اس کے بالکل برعکس ہے جو بدعتی اور شرکیہ زیارت میں ہوتا ہے.

دوسری حالت: بدعتی زیارت: قبروں اور مزاروں پر نماز کی ادائیگی اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے دعاء کی قبولیت کی امید لے کر جانا ایک ایسی بدعت ہے جس کے حرام ہونے میں آئمہ کرام کا اتفاق ہے اور کسی قسم کا نزاع نہیں پایا جاتا، اور اسی طرح قبر کو چومنا اور چھونا، اور اللہ کو میت کا واسطہ و سیلہ دینا بھی حرام کاموں میں شامل ہوتا ، اوراور اوپر بیان کردہ شرعی اصول و ضوابط اور آداب کے خلاف ہے.

تیسری حالت: شرکیہ زیارت: قبر والوں کا قرب حاصل کرنے کے لیے مزارات و قبروں کی زیارت کرنا، اور وہاں مختلف قسم کی عبادات: مثلاً قبر کا طواف، صاحب قبر کے سامنے عاجزی و انکساری اور التجاء، میت سے مدد مانگنا، اپنی حاجتیں پوری کرنے کا کہنا، مشکلات دور کرنے کا کہنا، یہ ان امور میں شامل ہوتا ہے جو بت پرست اپنے بتوں کے سامنے کیا کرتے تھے، اور یہی شرکیہ زیارت کہلاتی ہے، جو غلو کا نتیجہ ہے جس سے نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو بچنے کا کہا تھا.

سیر و تفریح اور دیکھنے کے لیے قبروں کی زیارت کرنا ایک نیا اور جدید طریقہ نکل آیا ہے جو کہ شرعا مطلوب نہیں، اس کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

نبی کریم ﷺ نے جب اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کرنا چاہی تو فرمایا: میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کی مغفرت کے لیے دعاء تو اللہ تعالی نے اجازت نہ دی، اور میں نے اللہ تعالی سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کرنے کی اجازت مانگی تو اللہ تعالی نے مجھے اجازت دے دی، چنانچہ تم قبروں کی زیارت کیا کرو، کیونکہ وہ تمہیں موت یاد دلاتی ہیں. صحیح مسلم.

قبروں کی زیارت میں شرعی غرض وغایت اور مقصد تو موت اور آخرت کی یاد ہے لیکن اگر قبروں کی زیارت کا مقصد سیر و تفریح ہو تو یہ مقاصدِ شریعہ کے منافی و مناقض ہوگی.

بدعتی مقامات وجگہوں کی زیارت کا حکم:

اوپر کی سطور میں بیان کیا گیا ہے کہ مرد حضرات کے لیے قبروں کی زیارت کرنا مستحب ہے، لیکن جب قبریں شرعی طریقہ سے نہ بنائی گئی ہوں، بلکہ ان پر قبے گنبد اور مزارات کی تعمیر کی گئی ہو اور ایسی برائیاں و منکرات ہوتی ہوں جو شرک تک جا پہنچیں تو اس حالت میں وہاں کی زیارت شرعاً ممنوع ہوگی، اس لیے نہیں کہ اصل میں زیارت حرام تھی، بلکہ یہ عارضی سبب کی بنا پر ہے کیونکہ اس قبر پر شرکیہ اور بدعتی اعمال سرانجام دیے جارہے ہیں، لیکن اگر کوئی صاحب علم اور صاحب قدرت وہاں جاکر ان شرکیہ اعمال اور بدعات کو روک سکتا ہو تو اسے ضرور جانا چاہیے.

بدعتی مقامات کی زیارت حرام ہونے کے کئی ایک وجوہات ہیں:

1 – اوپر بیان ہو چکا ہے کہ آئمہ کرام کا اتفاق ہے کہ قبروں پر عمارت تعمیر کرنا حرام ہے، اور فقہاء کرام کا فیصلہ ہے کہ جو چیز حرام ہو اسے دیکھنا بھی حرام ہوگا، اور برائی کو دیکھنا برائی سننے جیسا ہی ہے، لہٰذا جس طرح برائی کا سننا حرام ہے تو اسے دیکھنا بھی حرام ہوا، اس بنا پر جہاں برائی کا ارتکاب کیا جارہا ہو وہاں جانا اور بیٹھنا بھی حرام ہوگا.

2 – ان مزارات و مقامات کی زیارت اس لیے حرام ہو گی کہ وہاں ایسی برائیاں دیکھنے کو ملتی ہیں جو بعض اوقات شرک اکبر تک پہنچ جاتی ہیں، اور ان جگھوں پر فی نفسہ حرام نہیں؛ بلکہ ایک عارضی سبب کی بنا پر حرام ہے کہ وہاں شرکیہ اعمال سرانجام دیے جارہے ہیں، اور اسی طرح زائرین وہاں بدعات کے بھی مرتکب ہوتے ہیں.

3 – ان مزارات پر جانے سے قبر پرستوں کی تعداد میں اضافہ کا باعث ہو گا، اہل حق تو اہل باطل سے ممتاز ہی اس لیے ہیں کہ ان کے راستے ہی جدا ہیں، جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے:

﴿کہہ دیجئے میرا راستہ یہی ہے، میں اور میرے متبعین پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ اللہ کی طرف بلا رہے ہیں، اور اللہ سبحانہ و تعالی پاک ہے، اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں﴾یوسف(108).

جو شخص بھی بغیر کسی ضرورت کے سوائے اہل بدعت کی تعداد میں اضافہ کرنے کے مزارات کی زیارت کرے اور وہاں جا کر شرک کی طرف لے جانے والے اعمال نہ بھی کرے تو گنہگار ہو گا.

4 – ان مزارات کی زیارت کرنے میں دو وجہ سے خرابی و فتنہ ہو سکتا ہے:

پہلی وجہ: دوسروں کے لیے فتنہ کا باعث بنے گا؛ خاص کر جب وہاں جانے والا شخص صاحب قدوہ ہو اس صورت میں جاہل قسم کے لوگ اسے دیکھتے ہوئے وہاں جائینگے اس طرح اس کا وہاں جانا دوسروں کے لیے فساد وخرابی کا باعث ہو گا.

دوسری وجہ: وہاں جانے والا زائر جب اس برائی اور غلط کام کو دیکھے گا تو خود بھی فتنہ میں پڑ جائیگا، ہو سکتا ہے ابتدا میں وہ اسے غلط سمجھے لیکن وقت گزرنے اور بار بار دیکھنے سے اس کا دل برائی کو برا نہ جاننے لگے؛ کیونکہ جب دل صاف شفاف ہو تو برائی کو دیکھ کر بھڑک اٹھتا ہے، لیکن برائی کو بار بار دیکھنے اور اسے نہ روکنے کی وجہ سے دل سے برائی کی نفرت جاتی رہے ہے.

ابن النحاس رحمہ اللہ نے بھی معاملہ کی طرف تنبیہ کرتے ہوئے اپنی کتاب "تنبیہ الغافلین (105) میں یہ الفاظ کہے ہیں: بعض اوقات کثرت سے برائی دیکھنا برائی کے ارتکاب جیسا ہی ہو جاتا ہے؛ کیونکہ یہ دل سے تمیز اور انکار کا نور سلب کر لیتا ہے؛ اس لیے کہ جب برائیاں اور منکرات دل میں زیادہ آ جائیں اور آنکھیں اسے بار بار دیکھیں تو آہستہ آہستہ اس کی عظمت دلوں سے جاتی رہتی ہے، حتی کہ جب انسان برائی کو دیکھتا ہے تو پتہ بھی نہیں چلتا کہ یہ بھی کوئی برائی ہے، اور اسے گناہ بھی نہیں سمجھتا؛ کیونکہ جب اس نے برائی بار بار دیکھی تو دل بھی اس کی طرف مائل ہو گیا.

5 – جس جگہ اور مقام پر جاہلیت کے بت ہوں یا جاہلیت والا کوئی میلہ لگتا ہو وہاں جانا قطعاً حرام ہو گا، اس کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

دورِ نبوی میں ایک شخص نے بوانہ مقام پر اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی، تو وہ شخص رسول کریم ﷺ کے پاس آکر عرض کرنے لگا: میں نے بوانہ مقام پر اونٹ ذبح کرنے کی نذر مان رکھی ہے، تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا: کیا وہاں کوئی جاہلیت کا بت تو نہیں جس کی عبادت کی جاتی ہو؟ تو صحابہ کرام نے عرض کیا: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا وہاں کوئی جاہلیت والوں کا میلہ تو نہیں لگتا تھا؟ تو صحابہ نے عرض کیا: نہیں، چنانچہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اپنی نذر پوری کر لو، کیونکہ اللہ کی معصیت و نافرمانی میں نذر پوری نہیں کی جاتی، اور نہ ہی اس میں نذر پوری کی جاتی ہے جس کا ابن آدم مالک ہی نہ ہو. اسے ابو داود نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے.

اوپر بیان کردہ زیارت کے احکام کا خلاصہ درج ذیل ہے:

مرد حضرات کے لیے قبروں کی زیارت کے احکام کی تین حالتیں ہیں:

1 – قبروں کی شرعی زیارت؛ سنت نبویہ کی اتباع کرتے ہوئے نصیحت و عبرت کے حصول اور فوت شدگان کے لیے مغفرت و سلامتی کی دعاء کے لیے ہوتی ہے، اس طرح قبر کی زیارت کرنے والے کو اجر و ثواب حاصل ہو گا، لیکن شرط یہ ہے کہ اس میں اخلاص کے ساتھ زیارت صحیح بھی ہو.

2 – فوت شدگان کے وسیلہ وسبب کے ساتھ دعاء کے ذریعہ اللہ کاقرب حاصل کرنے کے لیے مزارات و قبروں کی زیارت کرنا، یہ زیارت بدعت ہے، ایسا کرنے والا شخص اللہ کی ناراضگی اور سزا کا مستحق ہے، لیکن یہ شخص دائرہ اسلام سے خارج تونہیں ہوگا، اوراس کا یہ فعل و عمل شرک کا ذریعہ ضرور ہے.

3 – فوت شدگان سے مدد مانگنے اور ان سے مرادیں پوری کروانے اور ان سے مانگنے اور اللہ کی قدرت والی اشیاء فوت شدگان سے مانگنے کے لیے جانا؛ یہ شرکیہ زیارت کہلاتی ہے، ایسا کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے، کیونکہ اس نے توحید الوہیت و توحید ربوبیت کاانکار کرتے ہوئے شرک اکبر کامرتکب ہوکر کفر کاارتکاب کیاہے.

قبروں کے احیاء کی حرمت کے متعلق آئمہ کرام کے اقوال کی مزید تفصیلات، اور حرام ہونے کی مزید جاننے کے لیے اصل کتاب کا صفحہ نمبر (319) تا (331) کا مطالعہ کریں.

ان اقوال کا مطالعہ کرنے والے کے لیے واضح ہو جاتا ہے کہ اہل علم میں سے آئمہ کرام اور علماء ومؤرخین نے قبروں پر کسی بھی قسم کی تعمیر کرنے والے پر کتنی شدید تنقید اور ان کا انکار کیا، اور علماء کرام قبر پر عموماکچھ بھی بنانے کی حرمت پر متفق

ہیں، اور قبروں پر تعمیر کردہ ہر چیز کے انہدام کے وجوب پر بھی متفق ہیں، کیونکہ یہ تعمیرات شرک و فتنہ و فساد اور واضح ضلالت کا باعث بنتی ہیں.

مسلمانوں کے ضعف کمزوری کا رئیسی سبب بھی یہ مزارات و مقامات ہیں، افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ موجودہ حالات بھی اس کے شاہد ہیں.

اس وقت قبر پستوں کی جانب سے مزارات و مقامات کو وہ تعظیم و تقدیس اور ان کی دیکھ بھال حاصل ہے جو دور جاہلیت میں لات و عزی کے بتوں کو بھی حاصل نہ ہوئی تھی، اور نہ مناۃ کے بت کو مل سکی، اور نہ ہی ہبل اس کا فائدہ حاصل کر سکا تھا!!

اس وقت مسلمان کسی بھی اسلامی ملک میں چلا جائے تو اسے اونچی قبریں یا قبہ اور مزارات ضرور ملیں گے، یا پھر کسی ولی کی قبر پر مسجد ضرور مل جائیگی، اللہ ہی مددگار ہے، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ.

یہاں پر اس بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتی ہوں کہ مملکت سعودی عرب پر اللہ سبحانہ و تعالی کا بہت ہی فضل و کرم اور انعام ہے کہ اس نے سعودی عرب کی سرزمین اور سعودی عرب میں بسنے والوں کو اس فتنہ سے محفوظ رکھا ہے کہ پورے سعودی عرب میں نہ تو کوئی قبر اونچی ہے اور نہ ہی پکی اور نہ ہی اس پر کوئی قبہ و گنبد، اللہ نے یہاں شرک کے سارے وسائل بند کر رکھے ہیں، یہ سب اللہ کا فضل و کرم

اور پھر شیخ الاسلام امام مجدد محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کی دعوت کا نتیجہ ہے جنہوں نے قوتِ حجت اور دلیل کے ساتھ یہاں توحید اور صحیح عقید کی نشر واشاعت کی، اور ان کے ساتھ حاکم وقت امام محمد بن سعود رحمہ اللہ کی قوت تھی ، اور ان کے بعد ان کے منہج پر چلنے والوں کی تائید کی وجہ سے ہم اور مسلمانوں پر سب سے عظیم نعمت آج تک باقی ہے، اس لیے ہم پر واجب ہے کہ ہم اس نعمت کو باقی رکھنے کے لیے اس عقیدہ و منہج کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اللہ کا شکر بھی ادا کریں کیونکہ شکر کرنے سے نعمت میں اضافہ ہوتا اور ہمیشگی ہوتی ہے.

یہ بات معلوم شدہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ اور اجماع کے دلائل سے ثابت ہے کہ قبروں پر عمارت و گنبد اور قبہ و مساجد وغیرہ کی تعمیر اور قبر پر چراغ جلانا حرام ہے، لیکن بعض مخالفین اپنی مخالفت کو صحیح کرنے کے لیے اہل سنت کے ہاں مسجد نبوی اور قبر رسول کے متعلق شبہ پیدا کرتے ہیں.

اہل بدعات و نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے والوں کی زبانوں سے نکلنے والے شبہات کا رد معلوم کرنے کے لیے آپ موبائل کیمرہ سے اس بار کوڈ کو دیکھیں.

خلاصہ :

مجمل طور پر یہ مختلف آثار و مقامات مختلف احکام کے اعتبار سے ان حالات میں سے کسی ایک حالت میں ہونگے :

پہلی حالت : وہ آثار جن کا احیاء و حفاظت کرنا ثابت ہے، اور شریعت اسلامیہ نے کئی امور کی بناپر اس کی حفاظت واحیاء کا حکم دیا ہے :

ان آثار کے ساتھ اللہ کا قرب حاصل کیا جائے اس کی مثال رسول کریم ﷺ سے

أ ۔ شدہ احادیث ہیں.

عبرت و نصیحت کے حصول اور آخرت یاد کرنے کے لیے مثلا عموماً قبروں کی زیارت کرنا، اور خاص کر نبی کریم ﷺ اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قبروں، بقیع الغرقد اور شہداء احد قبرستان کی بغیر کسی سفر اور زاد راہ کے زیارت کرنا.

دوسری حالت : وہ آثار جن کا احیاء اور حفاظت کرنا ثابت نہیں، اور شریعت میں انہیں کوئی بھی خصوصیت حاصل نہیں ہے، نہ تو وہاں عبادت کے لیے جایا جا سکتا ہے، اور نہ ہی زیارت کے لیے، چہ جائیکہ اسکے لیے سفر کیا جائے، اس کی مثال یہ ہے کہ :

1 ـ نبی کریم ﷺ کے آثار والی جگہیں.

2 – جاہلی بت پرستانہ آثارِ قدیمہ والی جگہیں.

3 – پہلی تباہ شدہ قوموں کے آثار.

4 – بدعت پر مبنی مزارت و مقامات.

احیاءِ آثار کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی عقدی مخالفت

مخالفت کا تعلق دو چیزوں سے ہے:

اول: اس مخالفت کا فی نفسہ تعلق آثار سے ہوگا، چاہے وہ درخت ہو یا پتھر یا کسی شخص کی جگہ.

دوم: وہ مخالفت ان آثار کی زیارت کرنے والے شخص کے متعلقہ ہونگی.

پہلی قسم: جن مخالفات کا تعلق احیاءِ آثار کے ساتھ ہے مثلا ان آثار پر عمارت تعمیر کرے یا اس پر چراغاں وغیرہ کر کے اس کی دیکھ بھال اور حفاظت کرنا، جن کی وجہ سے اس کی تعظیم و تقدیس کی جانی لگے.

دوسری قسم: ان آثار کی زیارت کرنے والے شخص کے متعلقہ مخالفات یہ ہیں کہ زیارت کا مقصد اور اس زائر سے صادر ہونے والے اعمال و افعال اور ان آثار کے پاس کیا سلوک کرتا ہے.

زائر کے ارادہ و قصد کے متعلقہ بھی دو صورتیں ہیں:

1 – یا تو زائر کا مقصد سیر و تفریح اور سیاحت ہوگا، اس کے متعلقہ تفصیلی حکم آثار کی اقسام میں بیان ہو چکا ہے.

2 – یہ کہ زائر اللہ تعالی کا قرب حاصل کرنے کے لیےان آثار کی زیارت کرے؛ تو یہ یقیناً بڑی مخالفت ہے، جس میں یا تو بدعت ہوگی یا پھر توحید الہی کے منافی شرکیہ اعمال ہونگے، یا کمال توحید کے منافی.

اور جس طرح عبادت اصل میں ممنوع ہوتی ہے جب تک اس عبادت کی مشروعیت ثابت نہ ہو وہ عبادت سرانجام نہیں دی سکتی، اسی طرح جب تک عبادت میں دو شرطیں نہ پائی جائیں اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں ہوتی:

اللہ کے ہاں عبادت قابل قبول ہونے کی شروط:

1 – اخلاص: وہ عمل اور عبادت خالص اللہ تعالی کے لیے ہو.

2 – متابعت: یعنی اس عمل اور عبادت کو نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق سرانجام دیا جائے.

متابعت کے لیے دو شرطوں کا ہونا ضروری ہے:

1 – عمل کی صورت و ہیئت میں بھی متابعت و پیروی ہونی چاہیے.

2 – اور عمل کے ارادہ و قصد میں بھی متابعت و پیروی ضروری ہے۔

اس قاعدہ اور اصول کے مطابق لوگوں کی چار قسمیں بن جاتی ہیں:

1 – توحید پرست سنت پر عمل کرنے والا: یعنی اخلاص کے ساتھ اللہ کے لیے نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق عمل کرنے والا شخص۔

2 – بدعتی: اپنے اعمال میں تو مخلص ہے، لیکن نبی کریم ﷺ کی سنت کی اتباع نہیں کرتا۔

3 – مشرک: اس میں اخلاص نہیں پایا جاتا۔

4 – بدعتی مشرک: وہ شخص جس میں نہ تو اخلاص ہے اور نہ ہی نبی کریم ﷺ کی سنت کی پیروی و اتباع۔

فرمان باری تعالی ہے:

﴿آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں، (ہاں) میری طرف وحی کی جاتی ہے، کہ تم سب کا معبود برحق صرف ایک ہی معبود ہے، تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہیے کہ وہ نیک و صالح اعمال بجالائے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے﴾ الکهف (110).

اس لیے بندہ توحید الہی اور نبی کریم ﷺ کی سنت پر عمل کے بغیر تو اللہ تک پہنچ ہی نہیں سکتا.

جب یہ دو قاعدے اور اصول مقرر ہو جائیں اور ان پر عمل کر لیا جائے تو پھر انسان مخالف میں پڑنے سے بچ جاتا ہے، اور نبی کریم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے بصیرت کے ساتھ اللہ کی عبادت کر سکتا ہے، اس لیے ہر شرعی مخالفت اصل میں کلمہ توحید کی مخالفت شمار ہوتی ہے.

اور اس لیے کہ احیاء آثار سے متعلق اکثر عقدی مخالفات اوپر بیان کردہ حالات میں مشترک ہو سکتی ہیں، چاہے وہ مخالفت فی نفسہ آثار کے متعلقہ ہو، یا پھر زائر کے متعلق، ان میں سے سب سے زیادہ پھیلنے اور نشر ہونے والی مخالفت کے متعلق ہی بات ہوگی، اور وہ مخالفت کلمہ توحید کی مخالفت ہے، جس کے نتیجہ میں کئی دوسری مخالفات پیدا ہوتی ہیں جن کا تعلق کئی ایک مسائل سے ہوتا جن میں یہ مسائل شامل ہیں:

1 – تبرک حاصل کرنا.

2 – توسل ووسیلہ اختیار کرنا.

3 – دوسرے تعبّدی اعمال.

کلمہ توحید کی مخالفت

کلمہ توحید لا الہ الا اللہ اسلام کی اصل و بنیاد ہے، اور اس کا معنی یہ ہے: اللہ تعالی کےعلاوہ کوئی معبود برحق نہیں.

اس کلمہ کا مضمون یہ ہے: اللہ وحدہ کے علاوہ کسی دوسرے کی عبادت نہ کی جائے، اور اللہ سبحانہ وتعالی وہ معبود برحق ہے جس کی عبادت، اور استعانت ، اور تعظیم، اور خوف و امید اور اجلال و اکرام کی طرف دل مائل ہوتے ہیں، نہ تو کسی اور کی عبادت کی جا سکتی ہے، اور نہ ہی کسی دوسرے سے مدد طلب کرنا جائز ہے، اور اللہ کے علاوہ کسی دوسرے سے پناہ بھی نہیں مانگی جا سکتی، اس کے علاوہ کسی اور پر نہ تو توکل و بھروسہ کیا جائیگا، اور نہ ہی اس کےعلاوہ کسی کا خوف ڈر رکھا جائیگا، اور اللہ وحدہ لا شریک کےعلاوہ کسی دوسرے سے امید بھی وابستہ نہیں کی جاسکتی.

فرمان باری تعالی ہے:

﴿تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہیے کہ وہ نیک و صالح اعمال بجا لائے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے﴾الکھف(110).

اور اللہ سبحانہ و تعالی کا فرمان ہے:

﴿اور یقینا مسجدیں صرف اللہ ہی کے لیے خاص ہیں تو تم اللہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک مت کرو﴾ الجن (18).

کلمہ توحید کا شرعی معنی یہ ہوا کہ: مسلمان کا یہ اعتقاد ہونا چاہیے کہ وہ اللہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور وہ اکیلا ہی عبادت کے لائق ہے، نفع کے حصول اور نقصان سے بچنے کے لیے صرف اللہ کی طرف ہی متوجہ ہوا جائیگا، اللہ سبحانہ و تعالی اپنی ذات و صفات یکتا ہے اس کی کوئی مثال نہیں اور اس کی صفات کی کیفیت نہیں بیان کی جائیگی، وہ صفاتِ کمال سے متصف ہے، نہ تو ربوبیت میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ ہی الوہیت میں اور نہ ہی اسماء و صفات میں، وہی خالق و مالک ہے اور روزی رساں ہے وہی موت دینے والا اور عبادت کے مستحق وہی وحدہ لا شریک ہے.

اگر کسی بھی شخص نے مخلوق کو پکارا یا پھر مخلوق سے مدد مانگی اور استغاثہ کیا، یا مخلوق میں سے کسی میں خصائص الہی میں سے کسی خصلت کا اعتقاد رکھا تو یہ کلمہ توحید کے منافی و مناقض ہوگا، چاہے وہ زبان سے لا الہ الا اللہ کا اقرار بھی کر رہا تو اسے اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا

گردانا جائیگا، کیونکہ سب سے عظیم کبیرہ گناہ اور سات تباہ کرنے والے امور میں سے ایک اور سب سے بڑے ظلم شرک کے ارتکاب سے اس کا فعل اور اعتقاد کلمہ توحید کے تقاضوں کے ہی منافی ہے.

فرمان باری تعالی ہے:

﴿یقینا اللہ تعالی کے ساتھ شریک ٹھرانا ظلم عظیم ہے﴾لقمان(13).

یہ ظلم عظیم اس لیے کہلاتا ہے کہ اس نے مخلوق کو وہ کچھ دیا ہے جس کا وہ مستحق ہی نہیں؛ کیونکہ عبادت صرف اللہ وحدہ لا شریک کا حق ہے.

فرمان باری تعالی ہے:

﴿اور تم اللہ سبحانہ و تعالی کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک مت ٹھراؤ﴾النساء(36).

کلمہ توحید کی حقیقت اللہ وحدہ لا شریک کی عبودیت اور اس کے علاوہ ہر چیز کی عبادت سے براءت پر مشتمل ہے، اور یہ حقیقت دو جملوں میں پنہاں ہے:

1 – لا الہ: اس سے مراد غیر اللہ سے ساری الوہیت کی نفی ہے.

2 – الا اللہ: الوہیت کا اثبات صرف اللہ وحدہ لاشریک کے لیے.

اس کلمہ کا معنی اسی صورت میں پورا ہوگا جب اس کے معانی مفہوم کو سمجھا جائیگا، اور اس کا اقرار کرنے کے ساتھ ساتھ ظاہری و باطنی طرح سے کلمہ کے تقاضوں کے مطابق عمل کیا جائیگا، اور شرک و بدعت اور معاصی وگناہ جیسی اشیاء سے صاف و شفاف کیا جائے، اور یہ اسی صورت میں ہے جب قول و فعل اور ارادوں میں اللہ کے لیے مکمل اخلاص پایا جاتا ہو.

کلمہ توحید معانی و مفہوم کی تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ کلمہ توحید کی تکمیل اسی صورت میں ہوگی جب فرائض پر عمل کے ساتھ ساتھ درج ذیل تین امور کو ترک کیا جائیگا:

1 – ہر قسم کا شرک ترک کیا جائے.

2 – ہر قسم کی بدعات ترک کردی جائیں.

3 – ہر قسم کی معاصی وگناہ ترک کیے جائیں.

ان مندرجہ بالا امور سے اجتناب کرنے والا مسلمان ہی کلمہ توحید کی تکمیل کرنے والا ہو سکتا ہے.

کلمہ توحید کی مخالفت کرنے والا درج ذیل امورمیں سے کسی ایک کا مرتکب ضرور ہوتا ہے:

1 – یا تو وہ شرک اکبر کا مرتکب ہوگا ، اور یہ کلمہ توحید کے اصلا خلاف ہے۔

2 – یا پھر شرک اصغر کا مرتکب ہوتا ہے جو کمال توحید کے منافی ہے۔

3 – یا پھر بدعات و معاصی کا مرتکب ہوگا جس سے توحید میں نقص پیدا ہو کر کمالِ توحید میں کمی ہو جاتی ہے اس لیےتوحید کے ثمرات ہی حاصل نہیں ہونگے۔

کلمہ توحید کی مخالفت کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے احکام کا حکم بھی مخالفت کے اعتبار سے مختلف ہوگا، چنانچہ مخالفت کا حکم یا تو شرک ہوگا، یا پھر بدعت یا معصیت و نافرمانی تک محدود ہوگا۔

کلمہ توحید سے انحراف کا سبب:

کلمہ توحید سے انحراف کے کئی ایک اسباب، اور اس کی مختلف صورتیں ہونگی، لوگوں کا دور جاہلیت کے بت پرستانہ آثارِقدیمہ کی تعظیم کرنا بھی مخالفت کی ایک صورت بنتی ہے۔

لیکن انحراف کا سب سے واضح اور بڑا سبب لوگوں کا کلمہ توحید کے معانی و مفہوم سے عدمِ معرفت اور اس عظیم کلمہ کی فہم میں خلل پیدا ہونا ہے، جس کی وجہ سے توحیدِ الوہیت اور توحیدِ ربوبیت کو ایک ہی سمجھتے ہوئے دونوں کوایک ہی معنی دے دیا گیا ہے.

لاالہ الا کا معنی کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ: اللہ کے علاوہ کوئی اور خالق و مالک نہیں اور نہ کوئی کائنات کا مدبر ہے، اللہ کےعلاوہ نہ تو کوئی روزی رساں ہے ا ور نہ ہی کوئی زندہ کرنے اور مارنے والاہے؛ حالانکہ لا الہ الا اللہ کا یہ مفہوم و معنی صحیح ہی نہیں بلکہ ناقص ہے.

کلمہ توحید کے مخالف لوگوں کا خیال ہے کہ غیر اللہ کی کچھ عبادت بھی کر لی جائے، اور اللہ سبحانہ و تعالی کو رازق و مالک اور زندہ کرنے اور موت دینے والا بھی تسلیم کر لینے سے کلمہ توحید کا معنی اور مفہوم حاصل ہو جاتا ہے، ان کےخیال میں ایسا کرنا کلمہ توحید کےخلاف نہیں ہے، لیکن ان کا یہ خیال وگمان بالکل غلط ہی نہیں بلکہ انتہائی باطل بھی ہے.

دورِ جاہلیت کےمشرک بھی توحیدِ ربوبیت کے قائل تھے، بلکہ کوئی بھی انسان چاہے مسلمان ہو یا کافر اس کی نفی نہیں کرتا کیونکہ توحیدِ ربوبیت تو انسان کے دل میں گھر کیے ہوئے ہے،جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے:

﴿اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمان و زمین کو پیدا کرنے والا کون ہے؟ تو وہ یہی جواب دینگے کہ اللہ تعالی ، کہہ دیجئے کہ ذرا تم ان کے متعلق بتاؤ جن کو تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو اگر اللہ تعالی نے انہیں کوئی ضرر دینا چاہا تو کیا وہ اس ضرر کو اپنے آپ سے دور کر سکتے ہیں؟ یا پھر اللہ تعالی مجھ پر رحمت کرنا چاہے تو کیا وہ اس کی رحمت کو روک لینگے؟ کہہ دیں میرے لیے اللہ ہی کافی ہے، توکل کرنے والے اسی پر توکل کریں﴾الزمر (38).

اور جن لوگون کا قول ہے کہ : اللہ کے علاوہ ہی کوئی خالق و مالک اور مدبر کائنات نہیں، اور نہ ہی اللہ کے علاوہ کوئی اور روزی رساں اور مارنے اور زندہ کرنے والا ہے ان سب صفات کا مالک صرف اللہ وحدہ لا شریک ہے، وہ اپنے اس قول کی بنا پر مسلمان نہیں ہو جاتے؛ کیونکہ یہ قول تو یہود و نصاری اور مشرکین سب لوگوں میں مشترک ہے.

اللہ سبحانہ و تعالی نے توحیدِ ربوبیت کا اپنی توحیدِ الوہیت کے ثبوت اور تاکید کے لیے مقرر کیا ہے، اور اس سے توحیدِ الوہیت کے وجوب پر استدلال کے لیے، فرمان باری تعالی ہے:

﴿اے لوگو! تم اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا ہے، تا کہ تم بچ سکو﴾ البقرة(21).

اس لیے توحیدِ ربوبیت کا اقرار کرنے والوں کو توحیدِ الوہیت کا بھی اقرار کرنا چاہیے کیونکہ توحیدِ ربوبیت واجب کرتی ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کی جائے اس لیے کہ جس طرح اللہ سبحانہ و تعالی اکیلا خالق ہے، تو اسی طرح وہ اکیلا ہی عبادت کا مستحق ہے.

اور جس طرح وہ ایمان رکھتے اور ثابت کرتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالی کے علاوہ کوئی خالق و رازق نہیں، اسی طرح ان پر واجب ہوتا ہے کہ عبادت بھی صرف اللہ وحدہ لاشریک کی کریں.

کلمہ توحید کی مخالفت کرنے والوں کا گمان ہے کہ وہ اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ اکیلا اللہ تعالی ہی خالق و رازق اور زندہ کرنے اور مارنے والا اور مدبر ہے.... جن آثار و قبور کا وہ قرب حاصل کے لیے کچھ چڑھاوا چڑھاتے ہیں انہیں خلق و رزق یا تدبیر میں کچھ بھی حاصل نہیں، لیکن وہ اصحاب قبر اور بتوں اور مجسموں وغیرہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں،؛ اور دلیل یہ دیتے کہ یہ تو واسطہ اور وسیلہ ہیں اللہ کے سفارشی ہیں اللہ کے ہاں ہماری سفارش کرتے ہیں، اس وجہ سے ان قبروں

اور آثار کے پاس اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے کئی قسم کی عبادات بجا لاتے ہیں.

بلا شک و شبہ یہ شرک کی ان وجوہات میں شامل ہوتی ہے جس کی اللہ سبحانہ و تعالی نے اپنے آپ سے درج ذیل فرمان میں نفی فرمائی ہے:

﴿کہہ دیجئے! کہ اللہ کے سوا جن جن کا تمہیں گمان ہے (سب) کو پکار لو، نہ تو ان میں سے کسی ایک کو آسمانوں اور زمینوں میں ایک ذرہ برابر اختیار ہے، اور نہ ہی ان کا اس میں کوئی حصہ ہے، نہ ہی ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے، اور اللہ کے ہاں سفارش بھی کچھ فائدہ نہیں دیتی سوائے اس کے جسے اللہ اجازت دے دے﴾سبا(22-23).

اللہ کے علاوہ مخلوقات کو پکارنے والوں کے شرک کی وجوہات درج ذیل ہیں:

1 – جن کو پکارا جا رہا ہے وہ اللہ عزوجل کی ملکیت سے ذرہ برابر کے بھی مالک نہیں ہیں.

2 – انہیں آسمان و زمین میں کسی قسم کا حصہ حاصل نہیں.

3 – ان میں سے کوئی بھی اللہ سبحانہ و تعالی کا معاون و مددگار نہیں ہے.

4 – یہ تو سفارش کے بھی مالک نہیں؛ کیونکہ سفارش کا مالک تو مالک تو صرف اللہ سبحانہ و تعالی ہے، اور سفارش صرف وہی کریگا جسے اللہ تعالی اجازت دے اور اس سے راضی ہو، لہٰذا جو کوئی بھی اللہ کے علاوہ سفارشی بناتا ہے تو مشرک ہے.

چنانچہ اللہ سبحانہ و تعالی نے اپنے آپ سے ہر قسم کے شرک : بادشاہی، شراکت، معاونت، اور اللہ کی اجازت کے بغیر سفارش کی نفی فرمائی ہے.

اور پھر اپنے ان اعمال کے شرک نہ ہونے کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے، بلکہ صرف انہیں واسطہ و سیلہ اور سفارشی بناتے ہیں، ہم کوئی ان سے نفع و نقصان کا عقیدہ تو نہیں رکھتے.

شرک کرنے والوں کی حجت و دلیل یہی ہے، وہ کہتے ہیں: ہم قبر کا طواف کرتے ہوئے یہ اعتقاد تو نہیں رکھتے کہ یہ نفع اور نقصان دیتا ہے، یا پھر اس سے مطلب حاصل ہوتا ہے، بلکہ ہم تو اسے بطور واسطہ و وسیلہ پیش کرتے ہیں، اللہ سبحانہ و تعالی نے ان لوگوں کے متعلق فرمایا ہے:

﴿اور یہ لوگ اللہ کے علاوہ ان کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نہ تو کوئی نقصان دے سکتے ہیں، اور نہ ہی کوئی فائدہ، اور کہتے ہیں یہ تو اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں﴾ یونس(18).

اور اللہ سبحانہ و تعالی نے ان کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ بزرگ ہمارے لیے اللہ کے قرب کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرادیں ﴾الزمر(3).

چنانچہ وہ ان سے نفع ونقصان کا عقیدہ تو نہیں رکھتے، لیکن میت یا بت کی سفارش کی امید تو رکھتے ہیں جس کی وجہ سے وہ توحیدِ الوہیت میں شرک کے مرتکب ٹھرے، اور اگر صرف نفع و نقصان کا عقیدہ ہوتا تو یہ توحید ربوبیت میں شرک ہے، لیکن اگر ان کی عبادت کرنے کے ساتھ ساتھ نفع و نقصان کا عقیدہ بھی رکھیں تو یہ دو قسم کا شرک ہوگا: شرک ربوبیت اور شرک الوہیت، لہٰذا وہ ایک اور دو طرح کے شرک کا شکار ہیں.

حقیقت میں یہ لوگ توحیدِ الوہیت پر مشتمل کلمہ توحید کی مخالفت کر کے شرک اکبر کا شکار ہو کر دین کی اصل و بنیاد سے انحراف کر بیٹھے ہیں، اس توحیدِ الوہیت کی وجہ سے ہی تو اللہ سبحانہ وتعالی نے انبیاء و رسل مبعوث کیے، اور آسمان سے کتابیں نازل فرمائیں، اور ساری مخلوقات کو اسی فطرت پر پیدا فرمایا.

ابن قیمہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الجواب الکافی (138) میں کلمہ توحید کے متعلق کلام کرتے ہوئے لکھا ہے:

"یہ وہ کلمہ ہے جس کی وجہ سے آسمان و زمین قائم ہیں، اور اللہ سبحانہ و تعالی نے ساری مخلوقات اسی توحید پر پیدا فرمایا ہے، اور اسی پر ملت کی بنیاد رکھی گئی ہے اور

قبلہ نصب کیا گیا ہے، اسی کلمہ کی وجہ سے جہاد کی تلواریں نیام سے نکلی ہیں، اور سب بندوں پر اللہ سبحانہ و تعالی کا خالصتاً حق بھی یہی ہے، یہی وہ کلمہ ہے جس کی وجہ سے اس دنیا میں جان و مال اور اہل و عیال محفوظ رہتے ہیں، اور اسی کلمہ کی بناپر جہنم اور قبر کی عذاب سے نجاب حاصل ہوگی، اس کے بغیر جنت میں داخلہ نہیں مل سکے گا، یہی وہ حبل اللہ ہے جس کے بغیر اللہ تک رسائی حاصل نہیں کی جاسکتی، یہی اسلام کا کلمہ اور سلامتی والے گھر(جنت) کی کنجی ہے، اس کلمہ کی بنا پر لوگ بدنصیب و سعادتمند، مقبول و مردود قرار پاتے ہیں، اسی کلمہ کی بناپر دارالاسلام اور دارالکفر کی تقسیم ہوتی ہے، اور جنت و جہنم کا امتیاز بھی اس کلمہ کے ساتھ ہوتا ہے، فرض وسنت کو اٹھانے والا ستون بھی یہی ہے.

کلمہ توحید پر عمل کے ثمرات اور مخالفت کا انجام:

شرکیہ اور بدعتی خرافات منتشر ہونے کے نتیجہ میں معاشرے کے ساتھ ساتھ افراد پر بھی بہت برے اثرات مرتب ہوتے ہیں جن کا انجام بہت ہی خطرناک ہے، کلمہ توحید کی مخالفت کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے اثرات وانجام درج ذیل ہیں:

1 – مسلمانوں کی اجتماعیت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے، جس کی بناپر ان میں کمزوری و بزدلی پیدا ہو جاتی ہے.

2 – غیر اللہ کے ساتھ تعلق ہونے کی بنا پر مشرک کے دل میں ہمیشہ خوف و غم اور اضطراب رہتا ہے.

3 – مشرک اللہ اور مسلمانوں کا ہی دشمن نہیں بلکہ اپنی جان کا بھی دشمن بن جاتا ہے.

4 – شرک و بدعات اور خرافات ہر غلط و برے کام کی دعوت دیتے اور ہر بہتر اور اچھے کام سے دور کر دیتے ہیں.

5 – بدعتی اللہ سبحانہ و تعالی کی جانب سے سزا و عذاب کا مستحق ٹھرتا ہے، اور روزِ قیامت اسے حوضِ کوثر سے آبِ کوثر نوش کرنے سے محرومی اور شرکِ اکبر کے مرتکب شخص کو ابدی جہنم کی سزا حاصل ہوتی ہے.

6 – بدعتی اللہ تعالی اور اس کے فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت کا مستحق ٹھرتا ہے.

لیکن اس کے مقابلے میں کلمہ توحید کی عدم مخالفت اور کلمہ کے تقاضوں پر عمل کرنے والے مسلمان شخص کو بہت عظیم ثمرات حاصل ہوتے ہیں، اور اس کے نتیجہ میں قابل تعریف ثمرات ونتائج مرتب ہوتے ہیں.

یہ بات تو معلوم شدہ ہے کہ توحید کی بنیاد کتاب وسنت ہے، مسلمان شخص کو کتاب وسنت سے ہی سلف صالحین کی فہم کے مطابق اپنا عقیدہ حاصل کرنا چاہیے، جس سے اس عظیم کلمہ کی تفاصیل کی تکمیل ہوتی ہے.

اسی طرح ہمارے نبی محمد ﷺ کی سنت کا احیاء آپ ﷺ کی احادیث کے ذریعہ ہوگا، جو شریعت کے دو میں سے ایک رکن اور اساس ہے جس پر صحیح عقیدہ کی بنیاد اور کلمہ توحید پورا ہوتا ہے، اس عظیم کلمہ کے تقاضوں کو پورا کرنے کی صورت میں درج ذیل ثمرات حاصل ہوتے ہیں:

1 – اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنا، اور اس کلمہ پر سب مسلمانوں کا اتفاق و اتحاد جس کی وجہ سے مسلمانوں کی طاقت و قوت میں اضافہ ہوتا ہے، اور دشمن کے مقابلے میں نصرت وتائید ملتی ہے، فرمان باری تعالی ہے:

﴿اور تم اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور پھوٹ مت ڈالو﴾ آل عمران (103).

2 – معاشرے میں امن وامان پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ نفسی اطمنان اور ذہنی استقرار ملتا ہے؛ کیونکہ بندہ ایک رب کی عبادت میں مشغول ہوتا ہے، اسے رب کی مراد کا علم ہے، اس لیے اللہ کو راضی کرنے والے اعمال بجا لاتا ہے، اور اللہ کو

ناراض کرنے والے اعمال کا علم ہونے کی بنا پر ان سے اجتناب کرتا ہے، فرمان باری تعالی ہے:

﴿جو لوگ ایمان لاتے اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے انہی لوگوں کے لیے امن و سلامتی ہے اور وہی راہ راست پر چل رہے ہیں﴾الانعام(82).

3 – دینا وآخرت میں اہل توحید کے لیے رفعت و بلندی کا حصول، فرمان ربانی ہے:

﴿اللہ تعالی کی توحید کومانتے ہوئے،اس کے ساتھ کسی کوشریک نہ کرتے ہوئے،اور سنواللہ کے ساتھ شرک کرنے والا گویا آسمان سے گرپڑا،اب یا تو اسے پرندے اچک لے جائینگے یا پھر ہوا اسے کسی دور دراز جگہ پھینک دے گی﴾الحج(31).

4 – دنیامیں خلافت وسیادت کا حصول،فرمان ربانی ہے:

﴿تم میں سے جولوگ ایمان لائےاور نیک وصالح اعمال کیے اللہ تعالی ان سے وعدہ فرما چکاہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا، جیسے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا، اور یقیناً ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کر کے جمادے گا، جسے ان کے لیے پسند فرما چکا ہے، اور ان کے اس خوف و خطر کو

امن و سلامتی میں بدل دے گا،وہ میری عبادت کرینگے، میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھرائیں گے﴾النور(55).

5 – مال و دولت اور جان و عزت محفوظ ہو جائیگا؛ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

مجھے لوگوں سے اسوقت تک قتال کرنے حکم دیا گیا ہے جب تک وہ کلمہ لا الہ الا اللہ نہیں پڑھ لیتے، جس نے بھی یہ کلمہ پڑھ لیا اس نے مجھ سے اپنا جان و مال اور عزت محفوظ کرلی، الا یہ کہ اس کا حق ہو، اور اس کا حساب اللہ پر ہے. صحیح بخاری.

کلمہ توحید کے بعض ثمرات کچھ سطور میں آپ کے سامنے رکھے ہیں، و گرنہ تو کلمہ توحید سے بڑھ کر کوئی ثمرہ نہیں جس کے ثمرات دنیا وآخرت میں سمیٹے نہیں جاتے اس کلمہ سے بڑھ کوئی بڑا ثمر نہیں کیونکہ یہ دنیا وآخرت کی سب بھلائیوں کو جمع کر دیتا ہے.

آثار سے تبرک کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی مخالفات

تبرک کا معنی و مراد:

لغت میں تبرک کا معنی برکت طلب کرنا ہے.

اور کسی چیز سے برکت حاصل کرنے کا معنی یہ ہے کہ: اس چیز کے واسطے سے برکت طلب کی جائے، اور اس سے خیر و بھلائی حاصل ہو، اور اس چیز کو دوام اور زیادتی حاصل ہو.

آثار سے تبرک کی اقسام اور اس کے متعلقہ احکام

مختلف حیثیت کے اعتبار سے تبرک کئی اقسام میں تقسیم ہوتا ہے؛ تبرک کی نوع کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں:

1 – مشروع تبرک:

مخصوص کیفیت میں مشروع وسائل کے ساتھ اللہ سبحانہ و تعالی سے برکت طلب کرنا اور برکت کی امید رکھنا، اور شارع کی اجازت سے وقت یا قول یا فعل یا زمانے اور جگہ میں برکت چاہنا، اس کی مثال درج ذیل ہے:

مسلمان شخص اس چیز میں برکت تلاش کرے اور چاہے جس سے برکت حاصل کرنے کی شریعت نے اجازت دی ہے، اور اس کی حدود میں رہتے ہوئے برکت

حاصل کی جائے، مثلا: رمضان المبارک وغیرہ میں قرآن مجید کی تلاوت اور کثرت سے عبادت اور کتاب وسنت میں وارد شدہ دوسرے امور سرانجام دے کر جن سے برکت حاصل کرنے کا جواز ملتا ہے.

جب کتاب وسنت سے کسی عبادت کی دلیل ملتی ہے تو اس میں اصل یہی ہے کہ وہ عبادت اخلاص کے ساتھ شریعت کے موافق، اور ارادہ و عمل ہر اعتبار سے نبی کریم ﷺ کی اتباع و پیروی کے ساتھ سرانجام دی جائے.

کیونکہ قصد و ارادہ میں اتباع و پیروی عملی صورت میں اتباع و پیروی سے زیادہ بلیغ ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی مجموع الفتاوی (1/281) میں اسی طرف اشارہ کیا ہے.

2 - ممنوع تبرک:

اس سے مراد وہ تبرّک ہے جس کی شریعت میں کوئی دلیل نہ ملتی ہو، مثلاً کسی حجر یا شجر یا پھر کسی شخصیت کی طرف منسوب چیز سے تبرک حاصل کرنا، یا کسی جگہ جہاں سے وہ شخص گزرا، یا بیٹھا یا دفن ہوا ہے.

اس کی مثال یہ ہے: مسلمان وہاں سے برکت تلاش کرے جس سے شریعت نے تبرک حاصل کرنے کی اجازت نہیں دی، یا پھر اجازت کی حد سے ہی تجاوز کر جائے؛ مثلاً انبیاء و صالحین کے آثار و مقامات، اور پتھروں و درختوں وغیرہ سے

تبرک حاصل کرتا پھرے جس کا کتاب و سنت میں جواز ہی نہیں، یا پھر تبرک کے حصول کے لیے دی گئی اجازت کی حد سے تجاوز کر جائے جیسا کہ کچھ آثار میں غلو کرنا، اور تین مساجد (مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصی) خاص کر مسجد حرام میں عبادت کی جگہوں یعنی کعبہ حجر اسود مقام ابراہیم سے تبرک کا حصول اور ان کے پاس مشروع حد سے تجاوز کرنا.

حکم کے اعتبار سے ممنوعہ تبرک کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: شرک اکبر ہے: یہ اعتقاد رکھنا کہ مخلوق ذاتی طور بر کت دینے اور ہبہ کرنے میں مستقل و آزاد ہے، چنانچہ لوگ مخلوقات سے برکت طلب کرتے اور اعتقاد رکھتے کہ یہ آثار اور اشیاء برکت کی مالک اور برکت ہبہ کرنے پر قادر ہیں یا پھر وہاں سے تبرک میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کا ایسا کرنا اللہ کے ہاں واسطہ و وسیلہ کا باعث ہے.

اس لیے جب کسی چیز سے یہ اعتقاد رکھتے ہوئے تبرک حاصل کیا جائے کہ اس ہاتھ لگانا یا اس جگہ پر لوٹ پوٹ ہونا یا وہاں چمٹنا اللہ کے ہاں واسطہ و سیلہ کا باعث بنتا ہے، اور ایسا کرنا اللہ کے قرب کا باعث ہے، تو یہ اللہ کے ساتھ اور الہ و معبود بنانا اور دین سے خارج کر دینے والا شرک اکبر ہے، یہ بالکل دور جاہلیت کے اس اعتقاد کی طرح ہے جس طرح وہ لوگ عبادت کیے جانے والے درختوں اور پتھروں میں

رکھتے، اور جن قبروں سے تبرک حاصل کرتے تھے، ان کا بھی یہی اعتقاد تھا کہ یہ وسیلہ و ذریعہ ہے، وہ قبروں کے پاس اعتکاف کرتے، انہیں چھوتے یہی فعل تو انہیں الہ و معبود اور اللہ کے علاوہ شریک ٹھرانا ہے، اللہ سبحانہ و تعالی نے اپنے فرمان میں ان کی ہی حالت بیان فرمائی ہے:

﴿ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ بزرگ اللہ کے قرب کے مرتبہ تک ہماری رسائی کروادیں ﴾الزمر (3).

دوسری قسم: شرک اصغر ہے: یہ کہ مسلمان شخص وہاں سے تبرک حاصل کرے جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی، یا پھر اجازت کی حد سے تجاوز کرتے ہوئے جس کی اجازت نہیں دی وہاں سے حاصل کرے اور یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالی نے یہاں برکت رکھی ہے.

یعنی جب کسی کا عقیدہ ہو کہ کسی جگہ اور اثر سے تبرک حاصل کرنے سے برکت حاصل ہوتی ہے، لیکن وہ بعینہٖ برکت دینے کا اعتقاد نہیں رکھتا بلکہ تقرب کے وسیلہ وذریعہ کا عقیدہ رکھتا ہے تو یہ شرک اصغر کہلائیگا، اور اس تبرک کو بعض علماء کے قول کے مطابق بدعی تبرک کا نام دیا جائیگا.

چنانچہ جو شخص کسی چیز کے ذریعہ اللہ سے برکت طلب کرے اور شریعت میں اس سے برکت کا جواز نہ ملے، یا پھر اس میں برکت کے سبب کا اعتقاد رکھے مثلا کسی قبر

سے مٹی لے کر اپنے اوپر ڈالے کہ یہ مٹی اسے بھی بابرکت بنادے گی تو یہ شرک اصغر کہلائیگا کیونکہ اس نے ایسے سبب کا اعتقاد رکھا ہے جس کے سبب ہونے کی شریعت میں اجازت نہیں.

چنانچہ تبرک کا حکم اور شرک کا درجہ تبرک لینے والے شخص کے حساب سے ایک ہو جاتے ہیں.

ممنوعہ تبرک جنسِ متبرک کے اعتبار سے مندرج ذیل تین اقسام میں بھی تقسیم کیا جاسکتا ہے:

1 – انبیاء کے آثار و مقامات سے تبرک.

2 – صالحین کے آثار و مقامات سے تبرک.

3 – درختوں اور پتھروں اور جگھوں وغیرہ سے تبرک.

اس کی صورت یہ ہوسکتی ہے: انبیاء کرام کے آثار و مقامات یا پھر اولیاء وصالحین کی ذات اور ان کی قبروں، یا پھر بتوں اور مورتیوں کے ساتھ تبرک، زادراہ لے کر وہاں سفر کر کے جانا، اور نماز ادا کرنا، وہاں دعاء واعتکاف کرنا، اور خیر وبرکت کے حصول کے لیے وہاں کی مٹی اور در ودیوار کو چھونا.

یہ سب کو معلوم ہے کہ برکت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، اور طلب بھی اللہ سے ہی کرنی چاہیے؛ کیونکہ اللہ کے علاوہ کوئی بھی برکت کا مالک نہیں، اس لیے جسے چاہے اللہ برکت سے نوازتا ہے اور جس سے چاہے برکت روک لیتا ہے.

فرمان باری تعالی ہے:

﴿بہت بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے﴾ الملک (1).

اور اللہ عزوجل کا فرمان ذی شان ہے:

﴿اور ہم نے ان لوگوں کو جو بالکل کمزور شمار کیے جاتے تھے اس زمین کے مشرق و مغرب کا مالک بنا دیا، جس میں ہم نے برکت رکھی ہے﴾ الاعراف (137).

اور فرمان باری تعالی ہے:

﴿اور یہ نصیحت و برکت والا قرآن ہم نے نازل فرمایا ہے، کیا پھر بھی تم اس کے منکر ہو﴾ الانبیاء ().

اللہ سبحانہ و تعالی کا فرمان ہے:

﴿تو جب تم گھروں میں جانے لگو تو اپنے گھر والوں کو سلام کر لیا کرو، دعائے خیر ہے جو بابرکت ہے اور پاکیزہ ہے ﴾ النور (61).

چنانچہ جس نے بھی غیر اللہ سے برکت طلب کی، یا پھر کسی اثر و جگہ کے متعلق اعتقاد رکھا کہ یہ برکت کا سبب ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالی نے اسے برکت کا سبب نہیں بنایا تو وہ شرک کر رہا ہے؛ کیونکہ ساری کی ساری برکت صرف اللہ وحدہ کی طرف سے ہے وہی اللہ برکت کا مالک اور ہبہ کرنے والا ہے، اس لیے اللہ کے علاوہ کسی دوسرے سے برکت طلب مت کریں.

بغیر کسی شرعی دلیل کے آثار سے تبرک شرعا ممنوع ہے، کیونکہ کوئی بھی چیز بغیر کسی صحیح دلیل کے برکت کا سبب نہیں بن سکتی، اس لیے کہ اس سلسلہ میں اصل توقف ہے.

اور اسی طرح تبرک کا طریقہ بھی وہی ہوگا جو شرعاً ثابت ہے، اس میں اپنی جانب سے طریقے اور تبرک کی مختلف شکلیں مت بنائیں جو سلف امت سے ثابت نہیں اس لیے عمل اور قصد وارادہ دونوں میں اتباع ہونی چاہیے، اور کوئی ایسا عمل مت کرے جو سلف امت کے منہج کے خلاف ہو.

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مجموع الفتاوی (1/198) میں کچھ اس طرح رقمطراز ہیں: اتباع و پیروی یہ ہے کہ بالکل اسی طرح عمل کیا جائے جس طرح نبی کریم ﷺ نے عمل کیا ہے، اس لیے جب نبی ﷺ نے کوئی عمل بطور عبادت کیا ہے تو

ہمارے لیے بھی وہ عمل بطور عبادت مشروع ہوگا، اور جب نبی ﷺ نے کسی جگہ یا وقت کو عبادت سے مخصوص کیا ہے تو ہم بھی اسے خاص کرینگے۔

ممنوع ہونے کی دلیل ابو واقد الیثی رضی اللہ عنہ کی درج ذیل حدیث ہے:

ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ حنین کی طرف سفر کے لیے نکلے تو ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، ہم ایک درخت کے پاس سے گزرے تو ہم نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ تعالی کے رسول ﷺ ہمارے لیے بھی ذات انواط مقرر کردیں جیسے ان مشرکوں کے لیے ذات انواط ہے، کافروں کے لیے ایک بیری کا درخت تھا جس کے ارد گرد وہ اعتکاف کرتے اور اپنا اسلحہ اس پر لٹکاتے اسے انہوں نے ذات انواط کا نام دے رکھا تھا، ہم نے جب نبی کریم سے یہ بات کہی تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ اکبر اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم نے تو بالکل ایسی بات ہی کہی جو بنو اسرائیل نے موسی علیہ السلام سے کہی تھی ہمارے لیے بھی ویسے ہی الہ و معبود مقرر کردیں جس طرح ان کے بھی الہ و معبود ہیں، موسی نے کہا یقینا تم تو ایک جاہل قوم ہو، تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں پر چلو گے۔ صحیح ابن حبان۔

ابو واقد اللیثی رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث سے آثار میں تبرک کے حصول کی کئی طرح سے حرمت ثابت ہوتی ہے:

1 - یہ حدیث آثار سے تبرک کی حرمت میں دلیل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ذات انواط کا مطالبہ کرنے والوں کی بات پر اللہ اکبر کہہ کر سختی کی، اور ان کے فعل کو بنو اسرائیل کے فعل سے تشبیہ دی، ان کے اس ارادہ و قصد میں نبی کریم ﷺ نے ان کا نیا نیا مسلمان ہونا معذور نہیں جانا کیونکہ ان کا مطالبہ ہی اتنا غلط تھا کہ یہ عذر بھی قابل قبول نہیں رہا۔

2 - کسی بھی اثر اور جگہ کے پاس اعتکاف کرنے کی ممانعت وارد ہے، اعتکاف یہ ہوتا ہے کہ کسی جگہ تعظیم اور قرب کی بناپر اسی جگہ قیام کیا اور ٹھہرا جائے۔

فرمان باری تعالی ہے:

﴿یہ مجسمے اور مورتیاں جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو کیا ہیں﴾ الانبیاء (52).

اور حدیث میں آیا ہے کہ: وہ لوگ ذات انواط نامی درخت کے پاس بطور تبرک اعتکاف کیا کرتے تھے۔

اور عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے: اس درخت کے ساتھ اسلحہ لٹکایا جاتا تھا، اس لیے اسے ذات انواط کہتے تھے، اور اللہ کے علاوہ اس درخت کی عبادت کی جاتی تھی...

ان دونوں حدیثوں کے مابین جمع اس طرح ہو سکتا ہے کہ: اس درخت کے پاس برکت کے حصول کے لیے اعتکاف درخت کی عبادت کا باعث ہے، کتاب التوحید

کی شرح تیسیر العزیز الحمید (1/230) میں شیخ سلیمان بن عبد اللہ نے یہی توجیہ بیان کی ہے۔

3 – اس عمل سے توحید کی نفی ہو جاتی ہے؛ کیونکہ درخت سے تبرک اور اسے معبود والہ بنانا واضح شرک ہے، چنانچہ درخت کے پاس اعتکاف اور تبرکاً اس پر اسلحہ لٹکانے جیسے عمل کے مطالبہ پر رسول کریم ﷺ نے انہیں بتایا کہ تمہارا یہ مطالبہ بالکل بنو اسرائیل کے مطالبہ جیسا ہے جو انہوں نے موسی علیہ السلام سے کرتے ہوئے کہا ہمارے لیے بھی کوئی الہ و معبود مقرر کردیں جیسے ان کے الہ و معبود ہیں، اس سے یہ واضح ہوا کہ دونوں مطالبے توحید کے منافی تھے۔

4 – شرک میں واقع ہونا: اس لیے کہ بطور تبرک درخت پر اسلحہ لٹکانا، اور اس کے پاس اعتکاف کرنا اسے اللہ کے ساتھ معبود بنانا ہے، حالانکہ وہ اس کی عبادت تو نہیں کرتے تھے، اور نہ ہی وہ اس سے سوال کرتے اور مانگتے تھے!

تو پھر آج کل جو قبر پرست کر رہے ہیں اور فوت شدگان کو پکارتے ان سے مدد طلب کرتے، وہاں ذبح کرتے، ان کے لیے نذر ونیاز اور قبروں کا طواف کرتے قبروں کو چومتے، اور وہاں کے در و دیوار چومتے اور چھوتے ہیں، وہاں اعتکاف کرتے اور وہاں دربان و مجاور بنا رکھے ہیں اس کے متعلق کیا گمان و خیال ہوگا؟!

بطور تبرک درخت پر اسلحہ لٹکانا اور آج کل کے قبر پرستوں کے اعمال میں کیا نسبت رہ جاتی ہے!

5 – اہل جاہلیت سے مشابہت کی ممانعت؛ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے یہ فرماتے ہوئے انکار کیا اللہ کی قسم تم نے بھی بالکل ویسے ہی کہا جیسے بنو اسرائیل نے کہا تھا، اس لیے جو بھی حق سے جاہل ہو، اور جاہلوں والے عمل کرے تو وہ اہل جاہلیت میں سے ہوگا.

6 – نبی کریم کا سابقہ قوموں کے طریقہ کی تقلید اور پیروی کرنے سے روکنا، جیساکہ آپ ﷺ نے فرمایا: تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقہ پر چلو گے، نبی کریم ﷺ کی جانب سے یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ ان کی امت اہل جاہلیت کے اعمال شجر و حجر اور قبروں سے تبرک کا شکار ہوگی، نبی ﷺ نے اپنی امت کو شرک میں پڑنے سے متنبہ کرتے ہوئے بتایا کہ تم بھی ان کے طریقوں پر چلوگے.

خلاصہ:

شجر و حجر اور مقامات و مزارات اور جگہوں وغیرہ آثار سے تبرک حاصل کرنا مشروع نہیں؛ کیونکہ تبرک عبادت ہے، اور کسی بھی قسم کی عبادت غیر اللہ کے لیے ہو یہ اللہ کے ساتھ دوسرے کو الہ و معبود بنانا اور اللہ کے ساتھ شرک ہے.

آثار سے تبرک میں انحراف کے اسباب

کسی بھی معاملے میں حق سے انحراف کا باعث بننے کے کچھ نہ کچھ اسباب ضرور ہوتے ہیں، اجمالاً کچھ اسباب عام اور کچھ کسی معین معاملہ میں خاص ہوتے ہیں یہاں بھی خاص اسباب ہی مراد ہیں.

تبرک کے مسئلہ میں انحراف کے اسباب کا تعلق لبس معنی کے ساتھ ہے، باطل عقیدہ رکھنے والے منحرف معنی کو اجمالی معنی میں شامل کر کے امت کو دھوکہ دیتے ہیں، حالانکہ امت صحیح معنی کو قبول کرتی ہے، اور ان کے اس دھوکہ کے نتیجہ میں کتمان حق ہوتا ہے.

قرآن مجید میں اس مسلک سے اجتناب کا حکم دیا ہے، فرمان باری تعالی ہے:

﴿اور تم حق کو باطل سے خلط ملط مت کرو، اور نہ حق کو چھپاؤ تمہیں تو خود حق کا علم ہے﴾ البقرة(42).

اور فرمان ربانی ہے:

﴿اے اہل کتاب حق جاننے کے باوجود تم حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کیوں کرتے ہو، اور حق کیوں چھپاتے ہو﴾ آل عمران(71).

آثار سے تبرک کے مسئلہ کو اہل باطل فرصت جانتے ہوئے دھوکہ دے کر خلط ملط کر کے اپنے شرکیہ اعمال کو تبرک کے مضون سے خلط ملط کرتے ہیں کیونکہ تبرک تین قسم کا ہے: شرعی بدعی اور شرکیہ.

لہٰذا وہ مطلق تبرک کے الفاظ بول کر اسے شرعی دلائل کے ساتھ منحرف شدہ معنیٰ دے کر لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں، جس سے لوگ شک میں پڑ جاتے ہیں.

اہل باطل کا وطیرہ و طریقہ ہی یہی ہے وہ اس طرح عام الناس میں داخل ہو کر اپنے مفہوم کو پا لیتے ہیں؛ کیونکہ اگر وہ اپنا اصل مقصد و ارادہ ظاہر کر دیں تو لوگ انہیں قریب بھی نہ آنے دیں اور ان کی کوئی بات ہی نہ مانیں، کیونکہ کوئی بھی مسلمان شخص شرک نہیں کرنا چاہتا، لیکن اگر اللہ چاہے تو وہ گمراہ ہو جاتا ہے، اس طرح وہ یہ چال چل کامیابی کے ساتھ حق کے قالب میں باطل کو پیش کر پاتے ہیں.

ممنوع اور مشروع تبرک میں جان بوجھ کر اس طرح خلط ملط کیا جاتا ہے کہ: نبی ﷺ کے آثار سے شرعی تبرک پر قیاس کرتے ہوئے اولیاء صلحاء کے آثار سے تبرک کا حصول، اور نبی ﷺ کے ذاتی اور منفصل شدہ آثار سے تبرک پر قیاس کرتے ہوئے مختلف جگہوں سے تبرک پر قیاس کے ساتھ ساتھ ذاتی برکت کا مختلف جگہوں میں منتقل ہونے کا اعتقاد نبی کریم ﷺ کے جسد مبارک سے منفصل شدہ آثار سے حصول برکت پر کرتے ہیں.

آثار سے تبرک کے مسئلہ میں انحراف کے واضح اسباب یہ ہیں:

پہلا سبب: اولیاء و صلحاء کے آثار اور ذات کو نبی ﷺ کی ذات اور آثار سے شرعی تبرک پر قیاس کرنا:

ذات میں برکت تو اسی شخص میں ہو سکتی ہے جس کی ذات میں اللہ سبحانہ و تعالی نے برکت ہبہ کی ہو اور یہ ہستیاں ہیں: انبیاء و رسول، لیکن ان کے علاوہ نیک و صالح اولیاء و صلحاء کی برکت تو عمل کی برکت ہے، یعنی: ان کی برکت ان کے عمل اور علم اور اتباع و پیروی سے نہ کہ ان کی فی نفسہ ذات میں.

چنانچہ انبیاء و رسل کے اجسام میں ذاتی برکت ہے جس کا اثر دوسرے میں بھی ہوتا ہے، لیکن یہ ذاتی برکت صرف انبیاء و رسل کے ساتھ خاص ہے،اور صلحاء و اولیاء کی برکت ان کے اعمال سے ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں بیان ہوا ہے:

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: یقینا درختوں میں ایک ایسا درخت بھی ہے جس کی برکت مسلمان کی برکت جیسی ہے.. صحیح بخاری.

چنانچہ ہر مسلمان میں برکت ہے لیکن یہ برکت اس کے دل میں پائے جانے والے ایمان و یقین اور علم و عمل، اور اللہ کی تعالی کی تعظیم اور اتباع رسول ﷺ کی برکت ہے.

اور صالحین کی برکت ان کی لوگوں کو خیر و بھلائی کی دعوت دینے اور ان کے لیے دعا کرنے اور خلق الہی کو فائدہ و نفع دینے، اور نیک نیتی کے ساتھ ان کے ساتھ احسان کرنے میں برکت ہے.

اسی طرح ان کے اعمال صالحہ کی بناپر اللہ کی برکت کا نزول ہوتا اور ان کے سبب خیر و بھلائی ہوتی ہے، اور اللہ کا عذاب دور ہوتا ہے، یہ سب ان کے نیک کاموں اور لوگوں کی اصلاح کرنے کے باعث اور سبب سے ہوتا ہے، جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے:

﴿اور تیرا رب ایسا نہیں کہ کسی بستی کو ظلم سے ہلاک کر دے اور وہاں کے لوگ نیکو کار اور اصلاح کرنے والے ہوں﴾ ھود (117).

چنانچہ مسلمان شخص کی برکت ایک شخص سے دوسرے میں منتقل نہیں ہوتی، کیونکہ نیک و صالح لوگوں سے تبرک کا معنی اصلاح و نیکی میں ان کی اقتداو پیروی ہے، اور اہل علم سے تبرک کا معنی یہ ہے کہ ان سے علم حاصل کرتے ہوئے اس سے استفادہ کیا جائے.

لیکن کچھ لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ نیک و صالح لوگ فی ذاتہ بابرکت ہیں، اس بناپر وہ ان کا جھوٹا کھاتے پیتے اور ان کو چھوتے اور ہاتھ پاؤں چوم کر تبرک حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ سب کچھ کئی اسباب کی بناپر شرعاً ممنوع ہے:

ا – یہ نیک و صالح لوگ نبی کے مقام و مرتبہ کے قریب تک بھی نہیں چہ جائیکہ فضل و برکت میں برابر ہوں۔

ب – نبی ﷺ کے علاوہ کسی اور کے آثار سے برکت حاصل کرنے کے جواز پر کوئی دلیل نہیں ملتی، لہٰذا جب صرف نبی ﷺ کے آثار سے ہی تبرک حاصل کرنے کی خصوصیت پائی جاتی ہے تو بالِاجماع یہ حکم کسی دوسرے کو نہیں دیا جا سکتا۔

ج – صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہ تو نبی ﷺ کی زندگی میں کسی افضل صحابی سے تبرک حاصل کیا اور نہ ہی نبی ﷺ کی وفات کے بعد، صحابہ کرام کی جانب سے یہ تخصیص اجماع کے زمرہ میں آتا ہے، نبی ﷺ کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکتی۔

د – ان کے بعد تابعین عظام بھی صحابہ کرام کے منہج پر رہے، چنانچہ کسی بھی تابعی سے منقول نہیں کہ انہوں نے کسی صحابی سے تبرک حاصل کیا ہو، اور نہ ہی تابعین عظام نے آپس میں کسی بڑے عالم تابعی سے تبرک حاصل کیا ہو۔

اگر ایسا کرنا مشروع اور جائز ہوتا تو صحابہ کرام اور تابعین عظام اس سے کبھی پیچھے نہ رہتے، بلکہ ہم سے اس سلسلہ میں سبقت لے جاتے ہوئے ضرور کرتے، اور کبھی بھی اسے ترک کرنے پر سب جمع نہ ہوتے، کیونکہ لوگوں میں سب سے زیادہ خیر و بھلائی کی حرص صحابہ کرام کو تھی۔

اس کی تائید امام شاطبیؒ کے قول سے ہوتی ہے وہ اپنی کتاب الاعتصام (1/482) میں کہتے ہیں: امت میں نبی کریم ﷺ کے بعد سب سے افضل ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، اور آپ کے خلیفہ بھی، لیکن ان کے ساتھ یہ عمل نہیں ہوا، اور ان کے بعد عمر رضی اللہ عنہ بھی امت میں سب سے افضل تھے لیکن ان کے ساتھ بھی ایسا عمل نہیں کیا گیا، پھر اسی طرح عثمان رضی اللہ عنہ پھر علی رضی اللہ عنہ اور پھر سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امت میں جن سے افضل کوئی اور نہیں، پھر کسی بھی صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں کہ کسی نے بھی ان افضل ترین لوگوں سے تبرک حاصل کیا ہو، بلکہ تابعین اور تبع تابعین نے صرف افعال اور اقوال اور سیرت میں ان کی اقتداو پیروی کی، جن میں انہوں نے نبی ﷺ کی اتباع و پیروی کی تھی چنانچہ ان کا یہ سب اشیاء کا ترک کرنا صحابہ کرام کا اجماع ہوا.

اور حافظ ابن رجب رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب " الحکم الجدیرۃ بالإذاعۃ (46) میں اس کی تاکید کرتے ہوئے لکھا ہے: اور اسی طرح آثار سے تبرک حاصل کرنا بھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ سے تو تبرک حاصل کرتے تھے، لیکن انہوں نے آپس میں ایسا نہیں کیا، اور نہ ہی تابعین عظام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ایسا کیا حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قدر و منزلت بہت بلند تھی.

ھ ـ نبی سے تبرک پر قیاس کرتے ہوئے صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ شرک کا ذریعہ وسبب ہے.

امام شاطبیؒ رحمہ اللہ اپنی کتاب الاعتصام (1/482) میں شرک و بدعت کے سد ذریعہ کے لیے صالحین کے آثار سے تبرک کے عدم جواز پر کلام کرتے ہوئے کہا ہے: اس لیے کہ عامۃالناس اس سلسلہ میں کسی حد پر نہیں رہینگے؛ بلکہ حدود سے تجاوز کرتے ہوئے تبرک حاصل کرنے کے لیے مبالغہ آرائی کی جائیگی، حتی کہ جس چیز سے تبرک حاصل کیا جارہاہےاس کی تعظیم بھی حد سے بڑھ جائیگی، ہو سکتا ہے متبرک چیز میں وہ اعتقاد بنا لیا جائے جو اس میں ہو ہی نہ، اور یہ تبرک ہی اصل عبادت ہے.

تبرک تعظیم کرنے والے کے لیے بھی فتنہ ہے اور جس کی تعظیم ہو رہی ہے اس کے لیے بھی فتنہ ہے جیسا کہ حافظ ابن رجب رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ " الحکم الجدیرۃ بالاذاعۃ (46) میں تبرک صرف نبی ﷺ کے ساتھ خاص ہے، اوراس پر قیاس کرتے ہوئے صالحین سے تبرک حاصل نہیں کیا جا سکتا ، اس مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے کہتے ہیں: " تبرک تعظیم کرنے اور جس کی تعظیم کی جارہی ہے دونوں کے لیے فتنہ ہے، کیونکہ اس میں غلو اور بدعت داخل ہونے کا خدشہ ہے، اور ہو سکتاہے یہ شرک تک جا پہنچے "

مخالف کے ساتھ بات کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں اگر بالفرض صالحین کے آثار سے تبرک جائز بھی ہو تو:

1 – نیک و صالح کا تو پتہ ہی نہیں چل سکتا کیونکہ یہ چیز تو دل کی اصلاح سے پتہ چلے گی اور اس کا علم تو ہمیں نص کے بغیر نہیں ہو سکتا، جیسا کہ صحابہ کرام کی اللہ تعالی نے تعریف کی ہے، اور اللہ کے رسول نے بھی صحابہ کی تعریف کی ہے، یا پھر آئمہ اور تابعین عظام جن کی امت بھی نیک صالح ہونے کی گواہی دیتی ہے، اب یہ لوگ تو ختم ہو چکے، لیکن ان کے علاوہ کے متعلق تو ہم زیادہ سے زیادہ ان کے نیک و صالح ہونے کا گمان ہی کر سکتے، امید ہے وہ ایسے ہوں۔

2 – حتی کہ اگر کسی شخص کے نیک و صالح ہونے کا گمان بھی ہو جائے تو اس کا خدشہ تو ہے کہ کہیں اس کا خاتمہ برے اعمال پر ہی نہ ہو، اور اعمال کا اعتبار تو اختتام کے وقت کا ہوتا ہے، اس لیے یہ لوگ تبرک کے اہل ہی نہیں رہتے، یہ بات ان کے قول کی بنا پر اپنے موقف سے نیچے آکر کہی ہے۔

اس بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تبرک حاصل کرنے پر قیاس کرتے ہوئے صالحین سے تبرک نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا، کسی اور کے ساتھ نہیں، اور پھر امت میں کوئی بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ کے قریب بھی نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ برکت و فضل میں برابر ہو!

دوسرا سبب: جگہوں کی برکت جو جگہوں کے ساتھ ہی لازم ہے، کسی دوسرے میں نہیں جاسکتی، اور انبیاء کی ذاتی برکت جو دوسرے کو بھی جاسکتی ہے ان دونوں میں عدم تمیز اور خلط ملط کرنا:

انبیاء کی ذاتی اور متعدی برکت کے متعلق اوپر کی سطور میں بیان کیا جاچکا ہے کہ یہ ثابت شدہ ہے، لیکن جگہوں کی برکت کے متعلق قرآن مجید میں بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالی نے بعض جگہوں میں برکت والا بنایا ہے، جیسا کہ بیت اللہ کے متعلق فرمان باری تعالی ہے:

﴿یقیناً اللہ تعالی کا سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ شریف میں واقع ہے، جو تمام دنیا کے لیے برکت و ہدایت والا ہے﴾آل عمران (96).

اور اسی طرح مسجد اقصی کے متعلق فرمان باری تعالی ہے:

﴿پاک ہے وہ اللہ تعالی جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصی تک لے گیا، جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے﴾الاسراء (1).

ارض مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ: اس زمین اور وہاں کے رہائشیوں کی معاش، خوراک، کھیتی، درختوں میں لازم و دائم خیر کثیر پائی جاتی ہے، تاکہ وہاں رہنے میں اور دعوت دینے میں یہ چیز طاقت کا باعث بنے، اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ

اس زمین یا در و دیوار کو چھو کر برکت حاصل ہوتی ہے، کیونکہ اس کی برکت اس جگہ کے ساتھ لازم ہے متعدی نہیں یہ کسی دوسرے میں منتقل نہیں ہوتی، بلکہ یہ برکت صرف معنوی ہے.

چنانچہ کعبہ اس اعتبار سے بابرکت ہے کہ دلوں کا اس سے تعلق قائم رہے، اور جو کعبہ کا سفر کرتا اور طواف کرتا، اور کعبہ کے پاس اللہ کی عبادت بجالاتا ہے تو اسے کثرت خیر حاصل ہوتی ہے.

اسی طرح حجر اسود بھی بابرکت پتھر ہے، لیکن اس کی برکت صرف عبادت کے لیے ہے، اس طرح کہ جس نے بھی اسے نبی ﷺ کی اتباع میں بطور عبادت چھوا یا بوسہ لیا تو اسے اتباع و پیروی کی برکت حاصل ہوگی.

ثواب کی برکت حاصل کرنے کے لیے حجر اسود کا بوسہ لینا نبی ﷺ کی اتباع و پیروی کرتے ہوئے خالصتا اللہ تعالی کی عبادت ہے، لیکن کچھ لوگ اس کی برکت حسی شمار کرتے ہوئے بوسہ لے کر یا ہاتھ لگا کر بطور تبرک اپنے جسم پر پھیرتے ہیں یہ صحیح نہیں.

صحیح بخاری و مسلم میں امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے حدیث مروی ہے وہ حجر اسود کا بوسہ لیتے ہوئے کہنے لگے: یقیناً مجھے علم ہے کہ تو ایک پتھر ہے نہ تو کوئی

فائدہ دے سکتے ہو اور نہ نقصان، اگر میں نے رسول کریم ﷺ کو تجھے بوسہ لیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی آج تیرا بوسہ نہ لیتا.

اس کا معنی یہ ہے کہ: حجر اسود کا بوسہ لینے سے حجر اسود نہ تو اسے کوئی فائدہ دیتا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی نقصان کرتا ہے، بلکہ بوسہ تو صرف بطور عبادت اور نبی کریم کی اقتدا و پیروی میں لیا جاتا ہے، اسی لیے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما نے فرمایا: .. اور اگر میں نے رسول کریم ﷺ کو تیرا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا نہ تو ہوتا تو میں بھی تیرا بوسہ نہ لیتا.

اس بنا پر جگہیں مبارک تو اس وقت ہوتی ہیں جب وہاں مستقل اطاعت و فرمانبرداری کی جائے، اور برکت کے نزول کا سبب بھی یہی ہے، حتی کہ مساجد بھی بابرکت ہیں، لیکن ان کی برکت اطاعت و فرمانبرداری ختم ہونے کی صورت میں ختم ہو جاتی ہے.

جگہوں میں برکت ہونے کا معنی و مفہوم یہی ہے کہ وہ ذات میں منتقل نہیں ہوتی بلکہ وہ معنی کے اعتبار سے برکت ہے، یعنی معنوی برکت ہے حسی نہیں.

آثار مکانی کا تبرکاً چھونا اور بوسہ لینا تو شرک کی طرف لے جانے والے غلو اور تعظیم و تقدیس اور غیر اللہ کی عبادت کا وسیلہ و ذریعہ ہے.

آئمہ کرام نے شیطان کے دھوکہ سے متنبہ کیا ہے کہ شیطان اس طرح اعمال کو مزین کر کے پیش کرتا اور انہیں فتنہ میں ڈالتا ہے کہ اس میں تبرک حاصل کرنے والے کے لیے صلاح یا خیر و بھلائی ہے، اس طرح وہ خطرناک کام میں پڑ کر تبرک کے نام سے غیر اللہ کی عبادت کرنے لگتا ہے، جیسا کہ ابو شامہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الباعث علی انکار البدع والحودث (26-25) میں اس طرح ذکر کیا ہے:

اس وقت یہ بیماری عام ہو چکی ہے کہ شیطان عام الناس کے لیے در و دیوار اور ستون مزین کر کے پیش کر رہا ہے، اور ہر علاقے میں مخصوص جگھوں پر چراغ جلانے کی رسم بنا دی گئی، لوگوں کے سامنے کوئی شخص بیان کرت ہے کہ اس نے خواب میں مشہور نیک و صالح شخص کو یہاں دیکھا ہے، تو لوگ اس کی بات مان کر اس طرح کے عمل کرنے اور اس کی حفاظت میں لگ جاتے ہیں، لیکن اللہ کی جانب سے فرض کردہ فرائض اور سنن تو ترک کر رہے ہیں، اور یہ گمان کرتے پھرتے ہیں کہ وہ ایسا کرنے سے اللہ کا قرب حاصل کر رہے، پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر اس جگہ کی تعظیم و تقدیس شروع ہو جاتی ہے، اور وہاں سے شفا طلب کرنے لگتے ہیں، اور اپنی حوائج وضروریات کے لیے چشموں، حجر و شجر اور دیوار کے لیے نذر ماننے لگتے ہیں.

امام ابو بکر طرطوشی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الحوادث والبدع (39-38) میں ہر اس اثر و مقام کو جس کی لوگ تعظیم کرنا شروع کر دیں اسے ختم کر دینے کی راہنمائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اللہ تم پر رحم فرمائے دیکھو تمہیں جہاں بھی کوئی ایسا درخت اور بیری وغیرہ ملے لوگ جس کی تعظیم کر رہے ہوں اور وہاں جا کر بیماریوں سے شفایابی طلب کرتے ہوں، یا پھر اس پر کیل لگاتے یا کپڑے باندھتے ہوں تو یہ ذات انواط میں شامل ہوتی ہے اسے کاٹ کر ختم کر دو"

آثار سے حصولِ تبرک کے نتائج

آثار و مقامات سے تبرک شرعاً ممنوع ہے، اسکے نتیجہ میں بہت بڑی بڑی خرابیاں و شر پیدا ہوتا ہے اور اس کے خطرناک آثار سامنے آتے ہیں، ذیل میں چند بڑے خطرناک نتائج پیش کیے جاتے ہیں:

1 – توحید کے منافی شرک کاارتکاب.

2 – آثار سے حصولِ تبرک کے مشروع ہونے پر کتاب و سنت میں کوئی دلیل نہ ہونے کی بنا پر دین میں بدعات کا ارتکاب؛ اور یہ سلف امت کے افعال میں بھی شامل نہ تھا.

3 – یہ عمل بہت ساری حرمتوں کو پامال کرنے باعث بنتا اور اس کے نتیجہ میں کئی قسم کی برائیاں اور خرابیاں پیدا ہوتی ہیں مثلا: قبروں کا احیاء کر کے انہیں مزارات بنانا اور میلے لگنا وغیرہ.

4 – سنتوں کا ضیاع، جب قوم کوئی بھی بدعت ایجاد کرتی ہے تو اس کے مقابلے میں ایک سنت اٹھ جاتی ہے، اور جب دل بدعات میں لگ جائیں تو سنت سے اعراض شروع ہو جاتا ہے، کیونکہ دل دو ضد و مخالف اشیاء میں مشغول نہیں رہ سکتا.

5 – بدعات کا تیزی سے پھیلنا اور نشر ہونا؛ کیونکہ بدعت ایسی آگ کی طرح ہے جو چھوٹی سی چنگاری سے شروع ہو کر شعلے پکڑ لیتی ہے.

6 – جاہلوں کو دھوکہ دینے کے لیے کذب بیانی و بہتان ترازی میں پڑنا، اور درج ذیل امور کے ذریعہ نسلوں کو گمراہ کرنا:

أ – ضعیف اور موضوع احادیث سے ممنوعہ تبرک کے جواز پر استدلال کرنا.

ب – شرعی نصوص کی تحریف، اور ان سے ایسے معانی مراد لینا جس معنی کی وہ نصوص محتمل نہیں.

ج – جھوٹ و بہتان کے ذریعہ تبرک والی جگہ کی تعیین و تحدید.

د – دجال قسم کے مجاوروں کا عام لوگوں کے سامنے قبروں کو چھونے سے برکت کے حصول اور دعاء کی قبولیت کے جھوٹے دعوے کرنا.

یہ بات یاد رکھیں کہ دینی اعمال کی مشروعیت اور اعمال کے صحیح ہونے کے لیے تجربہ اور خبریں کوئی وسیلہ و ذریعہ نہیں، بلکہ اس کے لیے قابل قبول واحد وسیلہ و ذریعہ صرف کتاب وسنت ہے.

اس لیے کسی بھی معاملہ میں تجربہ کو دلیل ماننا صحیح ہی نہیں بلکہ باطل ہے، کیونکہ دینی عبادات تو شرعی دلائل سے ثابت ہوتی ہیں نہ کہ شخصی تجربہ سے.

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مجموع الفتاوی ابن تیمیہ (27/115) میں اس دعوی اور شبہ کا رد کیا ہے کہ: آثار کے قریب دعاء قبول ہوتی ہے، مثلاً نبی یا پھر اولیاء صالحین کی قبروں اور مزارات کے پاس، اور ان کا دعوی ہے کہ یہ تجربہ شدہ تریاق ہے، اور اس کے ضمن میں جھوٹ اور بہتان کے ساتھ نبی ﷺ کی طرف منسوب آثار بھی شامل ہیں، ان سب کا حکم ایک ہی ہے۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" قائل یہ کہنا کہ: بعض اوقات یہاں قبروں اور آثار کے قریب ضروریات و حاجات پوری ہو جاتی ہیں، تو کیا اس سے وہاں زیارت کے لیے جانا جائز ہو جائیگا؟

اس کے جواب میں یہ کہا جائیگا کہ: یہ کئی ایک وجوہات کی بنا پر جائز نہیں ہے:

پہلی وجہ: دور جاہلیت میں مشرکین اور اہل کتاب کی ضروریات بھی بتوں اور مجسموں اور جن جگہوں کو وہ مقدس سمجھتے تھے وہاں پوری ہوتی اور دعائیں بھی قبول ہوتی تھیں؛ لیکن دین اسلام میں ان کی تعظیم حرام ہے۔

تو کیا مسلمان شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اسطرح کے عمل نے ان کے لیے حرام کو جائز کر دیا ہے، حالانکہ اس کے حرام پر مسلمانوں کا اجماع ہے، دیکھیں کہ اہل بدعت جن اسباب کی بنا پر بدعات ایجاد کی ہیں، وہی اسباب آپ کو اہل کتاب اور مشرکین مکہ میں ملیں گے کہ بالکل وہی اسباب تھے جنہوں نے انہیں شدید ترین کفر و شرک

میں مبتلا کر دیا، اس پر غور و فکر کرنے والے شخص اسے عام معاملات میں ہی دیکھ لے گا، کیونکہ بدعت تو کفر سے مشتق ہے۔

اور کمال ایمان یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالی اور اس کے رسول ﷺ نے جس کا حکم دیا ہے اس پر عمل کیا جائے، اور جس سے روکا ہے اس سے رکا جائے، چنانچہ جب کچھ حکم ترک کر دیے جائیں اور اس کے بدلے کچھ ممنوعہ کام کر لیے جائیں تو ایمان بھی اسی قدر کم ہو جاتا ہے۔۔

دوسری وجہ : اس مسئلہ میں بہت ہی زیادہ جھوٹ اور کذب بیانی ہوتی ہے؛ لہٰذا جب قرآن مجید کے اسلوب میں کذب بیانی اور جھوٹ کو شرک کے ساتھ ملا کر، اور صدق و سچائی اور اخلاص کو ملا کر بیان کیا گیا ہے تو مومن لوگ اہل صدق و سچائی اور مخلص ہوئے اور کفار کذب بیانی کرنے والے اور مشرک ٹھرے، ان مزارات اور مقامات میں شرک پائے جانے کی وجہ سے کئی ایک وجوہات کی بنا پر جھوٹ و کذب بیانی ملی ہوئی ہے:

اول– یہ قبر فلاں عظیم شخص کی ہے یا اس کا (یہاں) سر (دفن) ہے، اس میں بہت زیادہ کذب بیانی پائی جاتی ہے۔

دوم– ان قبروں والوں کے حالات بتاتے وقت بہت سارے جھوٹ بولے جاتے ہیں۔

سوم: مجاوروں کا لوگوں کو بتانا کہ یہاں ان قبروں اور مزاروں پر دعا قبول ہوتی اور ضروریات و حاجات پوری ہوتی ہیں، قبروں کے مجاور (گدی نشین) بہت زیادہ حیلے باز ہیں اور لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے کہتے ہیں کہ یہاں فلاں کرامت ظاہر ہوئی یا پھر فلاں حاجت و ضرورت پوری ہوئی، ایسی خبریں دینے والے اکثر وہ باتیں کرتے ہیں جن کی کوئی حقیقت تک نہیں ہوتی، اور بہت سارے ایسے معاملات تو ہم نے خود دیکھے ہیں.

چہارم: اس قبر سے تعلق رکھنے والوں کو نسب نامہ بتانا، بہت سے افراد قبر میں مدفون میت کی اولاد ہونے کا دعوی کرتے ہیں، یا پھر رشتہ دار ہونے کا، حتی کہ میں نے ابراہیم بن ادہم کی اولاد کا جھوٹا دعوی کرنے والے بھی دیکھے ہیں؛ یہ کذب بیانی صرف قبر کی گدی نشینی کے لیے ہے، اور پھر نبی ﷺ کے سید خاندان سے ہونے کا دعوی تو اتنا بڑھ چکا ہے کہ بیان بھی نہیں کیا جا سکتا.

پنجم: امت اسلامیہ میں مطلق طور پر سب سے زیادہ کذب بیانی اور جھوٹ بولنے والے لوگ رافضی و شیعہ ہیں، مسلمانوں میں صرف یہ ایک ایسا گروہ اور فرقہ ہے جو اسلام میں غلو و شرک کا مدعی ہے، ان میں ہی پہلا شخص ہے جس نے الہ ہونے کا دعوی کیا تھا، اور غیر نبی کی نبوت کا بھی دعوی کرنے والا بھی انہیں میں سے تھا مثلا علی رضی اللہ عنہ کی نبوت کا دعوی، اور مختار بن ابو عبید نے بھی نبوت کا دعوی کیا، پھر ان

کے بعد جاہل اور بندوں کو گمراہ کرنے والے غالی اور پیرپرست لوگ؛ کیونکہ رافضیوں اور شیعہ کے بعد سب سے زیادہ قبروں کی تعظیم، اور سب سے زیاد غلواور کذب بیانی کرنے والے یہی لوگ ہیں، ان دونوں گروہوں میں نصاری سے مشابہت پائی جاتی ہے، نصاری کا غلو اور کذب بیانی تو ہر خاص و عام کے علم میں ہے کسی سے بھی مخفی نہیں، ان فرقوں میں اتنا شرک و کذب بیانی پائی جاتی ہے جس کا اللہ کے علاوہ کوئی اور شمار بھی نہیں کر سکتا.

تیسری وجہ: اگر کوئی مسلمان شخص قبر کے پاس دعا کرتا ہے، اور اس کی ضرورت و حاجت پوری بھی ہوجاتی ہے تو اسے کہاں سے معلوم ہوگا کہ اس حاجت کے پورا ہونے میں قبر یا صاحب قبر کا اثر ہے؟

یہ تو بالکل اس نذر جیسا ہی ہے جو لوگ قبروں کے پاس مانتے ہیں، یا پھر دوسری نذر کہ جب ان کی حاجت پوری ہوئی تو.....

اور یہ یاد رکھیں کہ کسی نفع کے حصول اور نقصان دور ہونے میں نذر کا کوئی دخل نہیں کہ اس کا سبب نذر و منّت ہے...

چوتھی وجہ: اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ قبروں کا اس میں کوئی اثر ہے جیسا کہ فلاسفہ اور ان کے منہج پر چلنے والوں کا کہنا ہے کہ قبروں کی زیارت یا کسی

اور سبب سے میت کی روح دعا کرنے والے کی روح سے ملتی ہے اور اس سے اسے قوت حاصل ہوتی ہے...

اس کے جواب یہ ہے کہ: انسان کے لیے ہر وہ سبب مشروع و جائز نہیں ہو جاتا جس سبب کے باعث اس کی حاجت پوری ہوتی ہے، بلکہ مباح بھی نہیں ہوتا، بلکہ مشروع تو اس وقت ہو گا جب اس کی مصلحت مفسد و خرابی پر غالب آ جائے، لیکن جب مفسد و خرابی غالب ہو تو وہ سبب مشروع نہیں ہو گا؛ بلکہ ممنوع و ناجائز ہو گا چاہے اس سبب کے باعث کچھ فائدہ بھی حاصل ہوا ہو...

اس کلام میں ان سب اسباب کے متعلق تنبیہ پائی جاتی ہے جن اسباب کی بنا پر ضروریات پوری ہو جاتی ہیں.

اوپر کی سطور سے یہ واضح ہوا کہ مطلوبہ چیز کا حصول شرکیہ سبب کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں، اور نہ ہی تجربہ کی حجت و دلیل سے شرکیہ وسائل جائز ہو سکتے ہیں، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے واضح کیا ہے.

آثار سے توسل کے متعلق مخالفت

آثار سے توسّل کی مراد:

توسل کا لغوی معنی: لغت عرب میں توسّل کا معنی رغبت اور طلب ہے۔

اہل لغت کے ہاں اس کا عام معنی یہ کیا جاتا ہے: مراد تک پہنچنا اور مراد پورا کرنے کی سعی و کوشش کا نام توسّل ہے۔

توسّل کا شرعی معنی: اللہ تعالی کی عبادت اور اطاعت اور اس کے انبیاء کی اطاعت و پیروی کرتے ہوئے اللہ کا قرب حاصل کرنے کا نام توسّل کہلاتا ہے۔

لہٰذا اللہ تعالی کا قرب انہی عبادات و امور سے حاصل ہوگا جو اللہ تعالی نے مشروع کیے، اور رسول کریم ﷺ لائے ہیں، اور اللہ تعالی کے پسندیدہ اور رضامندی والے واجب و مستحب مشروع اعمال کو سرانجام دے کر اللہ کا قرب حاصل ہوگا، حتی کہ اللہ کے حکم کی پابندی اور ممنوع شدہ امور سے رک کر اللہ سبحانہ و تعالی کی تیار کردہ جنت و رضامندی حاصل ہو جائے۔

جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالی نے اس فرمان میں حکم دیا ہے:

﴿اے ایمان والو! اللہ تعالی سے ڈرتے رہو، اور اس کا قرب تلاش کرو، اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ﴾المآئدۃ(35).

متاخرین نے یہاں بیان شدہ توسّل کی تعریف شرعی توسّل سے مختلف اور مخالف تعریف کی ہے، میں نے جو معنی ذکر کیا ہے وہی شرعی توسّل کا صحیح معنی اور تعریف ہے، لیکن آثار سے توسّل و سیلہ اور اللہ کا قرب حاصل کرنا دوسرے معنی میں اور اس کا تیسرا معنی شرکیہ ہے جسے ہم ذیل میں بیان کر رہے ہیں:

1 – جس چیز سے توسّل کیا جارہاہے اللہ تعالی کو اس کی قسم دے کر اللہ سے مانگنا، مثلا اللہ تعالی سے نبی ﷺ کے واسطہ سے مانگنا، یا پھر کسی نیک و صالح شخص کے واسطہ سے، یا نیک و صالح لوگوں کی برکت سے، متاخرین سے وارد شدہ توسّل سے یہی ہے، جسے بدعی توسّل کہا جاتا ہے.

2 – دعاء مانگ کر یا عاجزی انکساری کر کے اور میت کا وسیلہ دے کر میت کا قرب حاصل کر کے اور ان کے مقام و مرتبہ کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرنا، میت دعاء کی قبولیت کا وسیلہ بنانا، اور میت کا واسطہ دے کر مدد و تعاون طلب کرنا، خوف و ڈر اور امید کے ساتھ میت سے دعا مانگنا، میت کے لیے منّت و نذر ماننا اور ان کے لیے ذبح کرنا، اور ایسے امور کے ذریعہ میت کی تعظیم کرنا جو مخلوق کے لیے مشروع نہیں، یہی وہ شرکیہ توسّل ہے جو قبر پرست کرتے ہیں.

توسّل کی اقسام اور اس کا حکم:

علماء کرام نے حکم کے اعتبار سے توسّل کی دو قسمیں بتائی ہیں:

1 - مشروع توسّل: اللہ پر ایمان لا کر اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہوئے اعمال صالحہ سر انجام دے کر اللہ کا قرب حاصل کرنا، اس کی کئی قسمیں ہیں:

أ - اللہ سبحانہ و تعالی کے اسماء حسنی اور بلند صفات کے ساتھ توسّل: اس کی مثال غم و پریشانی والی مسنون دعاء ہے (وہ درج ذیل ہے: از مترجم)

(اللهم إني عبدُك ابنُ عبدِك ابنُ أمتِك، ناصيتي بيدِك، ماضٍ فيّ حكمُك، عدلٌ فيّ قضاؤُك، أسألُك بكلِّ اسمٍ هو لك سميتَ به نفسَك، أو أنزلتَه في كتابِك، أو علمتَه أحدًا من خلقِك، أو استأثرتَ به في علمِ الغيبِ عندك، أن تجعلَ القرآنَ ربيعَ قلبي، ونورَ صدري، وجلاءَ حزني، وذهابَ همِّي وغمِّي).

ب - ایمان اور توحید کے ساتھ توسّل: جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالی کا فرمان ہے:

﴿اے ہمارے پالنے والے معبود! ہم تیری اتاری ہوئی وحی پر ایمان لائے اور ہم نے تیرے رسول کی اتباع و پیروی کی، چنانچہ تو ہمیں گواہوں میں لکھ لے﴾ آل عمران (53).

ج – اعمال صالحہ کا وسیلہ دے کر توسّل: جیسا کہ غار میں پھنس جانے والے تین آدمیوں کے قصہ میں بیان ہوا ہے کہ جب چٹان گرنے سے غار کا مونہہ بند ہو گیا تو انہوں اپنے اعمال کا واسطہ اور وسیلہ دیا.

د – زندہ اور حاضر نیک صالح افراد کی دعا کا توسّل جن کے متعلق امید ہوتی ہے کہ ان کی دعا قبول ہو گی، جیسا کہ صحابہ کرام نبی ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ سے دعا اور سفارش کرواتے کہ آپ ﷺ کے مقام و مرتبہ کی بنا پر آپ ﷺ کی دعا اور سفارش اللہ قبول فرماتا ہے، اور اسی طرح امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کا نبی کریم ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کروانا.

یہ قسم آثار کے توسّل کو شامل نہیں ہے، کیونکہ توسّل باآثار دوسری قسم میں داخل ہے، اور وہ ممنوع توسّل ہے جو ابھی ذیل میں بیان کیا جائیگی:

2 – ممنوع توسّل: ایسے امور سرانجام دے کر اللہ کا قرب حاصل کرنا یا ایسے امور کا واسطہ اور وسیلہ دے کر اللہ کا قرب حاصل کرنا جن کا وسیلہ شرعاً صحیح نہیں، اور نہ ہی اس پر کتاب و سنت سے کوئی دلیل ملتی ہے، حکم کے اعتبار سے اس کی دو قسمیں بنتی ہیں:

پہلی قسم: بدعی توسّل: ایسے وسیلہ سے اللہ کا قرب حاصل کرنا، یا پھر ایسی چیز کا وسیلہ جس پر شریعت خاموش ہے اس کی مثال یہ ہے:

1 – ایسی بدعات اور نئے ایجاد شدہ امور سے اللہ کا توسّل اختیار کرنا جو مشروع نہیں، لیکن لوگ اسے نیک و صالح اعمال سمجھتے ہیں حالانکہ حقیقت میں وہ بدعت اور نئے ایجاد شدہ ہے، اور شریعت میں اس کی کوئی دلیل نہیں.

2 – اللہ کو کسی مخلوق کے مقام و مرتبہ اور اس کی ذات و برکت اور حرمت و حق کا واسطہ دینا مثلاً کوئی شخص یہ کہے: اے اللہ میں تجھ سے تیرے نبی ﷺ کے مقام و مرتبہ کے وسیلہ سے یہ کچھ طلب کرتا ہوں، یا یہ کہے: اے اللہ مجھے فلاں کے حق کے ساتھ بخش دے، یا فلاں کی حرمت کے ساتھ یا فلاں کی ذات کے ساتھ یا اس کے آثار کی وجہ سے بخش دے، اسی طرح دوسرے وسائل اور اسباب کا واسطہ دے جن کی مشروعیت کی نہ تو کتاب اللہ میں دلیل ہے اور نہ ہی سنت نبویہ میں.

جمہور اہل علم کے ہاں یہی توسّل حرام اور بدعی کہلاتا ہے، اور یہ وسیلہ کئی اعتبار سے شرک تک لے جانے کا باعث ہے:

1 – یہ توسّل و عبادات بدعی اور مردود ہیں، نہ تو اللہ سبحانہ و تعالی نے مشروع کیا ہے اور نہ ہی رسول کریم ﷺ نے.

2 – صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب سے زیادہ سنت نبویہ کو جاننے اور سمجھنے والے تھے، اور ان کا ایمان سب سے زیادہ قوی و سچا، اور وہ نبی ﷺ سے سچی اور پکی محبت کرتے تھے، اور اتباع رسول ﷺ میں بھی سب سے آگے تھے، اگر یہ مشروع ہوتا تو

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضرور اس میں ہم سے سبقت لے جاتے، اور ایسا عمل ضرور کرتے، خاص کر اس کی ضرورت بھی تھی.

3 – ایسا کرنا اللہ پر حکم چلانا اور اللہ تعالی کی بے ادبی اور قلّت ایمان کہلاتا ہے، وگرنہ ہمیں کیسے علم ہو گا کہ فلاں شخص کا مقام و مرتبہ اور وقار اور اس کی ذات کا اللہ تعالی پر اثر اور حق رکھتا ہے، یا پھر اللہ پر کچھ واجب کرتا ہے، یاد رہے کہ کسی بھی مخلوق کا اللہ پر کوئی حق نہیں، لیکن وہ حق جو اللہ نے خود اپنے ذمہ لیا ہے، اور اس میں نیک و صالح لوگوں یا پھر ان کے مقام و مرتبہ اور وقار و آثار کا کوئی دخل تک نہیں ہے.

4 – ایک نیک و صالح شخص کی ذات اور اس کا مقام و مرتبہ اور اس کے آثار خالق کے ہاں، ایسے نہیں جیسے مخلوق کی آپس میں ہوتے ہیں.

5 – مخلوق کے مقام و مرتبہ اور وقار کا مخلوق کی دعاء اور اس کے وقار کا واسطہ دینے میں کوئی مناسبت تک نہیں ہے، ہاں یہ مناسبت اس صورت میں ہو سکتی تھی کہ وہ صاحب وقار و جاہ شخص خود اللہ تعالی سے دعا کرے.

دوسری قسم: شرکیہ توسّل: ایسا وسیلہ اور واسطہ دینا جو شریعت نے منع فرمایا ہے، مثلا وسیلہ دینے والا شخص جس کا وسیلہ دیا جا رہا ہے اس کے لیے کوئی عبادت

سر انجام دے؛ مثلاً آثار کو خالق اور مخلوق کے مابین وسیلہ و واسطہ بنا لے: اس کی کئی ایک صورتیں ہیں:

1 – بتوں کے آثار، اور مجسموں و مورتیوں اور قبروں کا قرب حاصل کرنا اور ان سے اپنی ضروریات و حاجات طلب کرنا.

2 – فوت شدگان کو پکارنا، ان سے مدد طلب کرنا، ان کے لیے ذبح کرنا، ان کے لیے نذر و نیاز ماننے کے علاوہ اہل جاہلیت کے دوسرے شرکیہ اعمال کا ارتکاب کرنا.

انہی کے متعلق فرمان باری تعالی ہے:

﴿اور جن لوگوں نے اس اللہ کے علاوہ اور اولیاء بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ بزرگ ہمارے لیے اللہ کے قرب کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرا دیں، یہ لوگ جس بارے اختلاف کر رہے ہیں اس کا (سچا) فیصلہ اللہ ہی کریگا، جھوٹے اور ناشکرے لوگوں کو اللہ تعالی راہ نہیں دکھاتا﴾الزمر(3).

یعنی: ان کفار نے انہیں اپنی دعاؤں اور سوال میں وسیلہ بنایا تھا، اور ان سے سفارش طلب کرتے تھے، اور ان کا خیال تھا کہ یہ اولیاء اس طرح ان کے مقاصد کا وسیلہ بنیں گے، اور یہ معبودان باطلہ اللہ کے ہاں ان کے سفارشی اور اللہ کے قرب تک ان کی رسائی کا باعث بنیں گے.

چنانچہ اللہ سبحانہ و تعالی نے مشرکین کے دین کو باطل کرتے ہوئے بتایا کہ ان کا یہ کہنا کہ وہ انہیں اللہ کے قرب کی رسائی کا باعث ہیں وہ اپنی اس بات میں جھوٹے ہیں اور ان سے دعا مانگ کر اور ان مدد طلب کر کے اوران کے لیے منت و نذر مان کر اور آثار کے پاس اپنے گمان کے مطابق وسیلہ و توسّل والے کفریہ اور شرکیہ اعمال کے مرتکب ہوتے ہوئے کافر ٹھرے ہیں.

ان کے اسی سلسلہ میں فرمان باری تعالی ہے:

﴿اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ توانہیں کوئی ضرر پہنچا سکیں، اور نہ ہی ان کو کوئی فائدہ و نفع دے سکیں، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے جو اللہ کو معلوم نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، وہ پاک ہے اور بلند بالا ہے اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں ﴾یونس (18).

بلاشک و شبہ بعض آثار و مزارات پر ہونے والا توسّل، بعض آثار و مزارات پر اختیار کیے جانے والے شرکیہ ذرائع دین اسلام سے خارج کر دینے والے ہیں.

جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مجمع الفتاوی (1/124) درج ذیل فرمان باری تعالی کی تعلیق میں فرمایا ہے:

﴿اور یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالی تمہیں فرشتوں، اور نبیوں کو رب بنا لینے کا حکم دے کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد بھی تمہیں کفر کا حکم دے گا﴾ آل عمران (80).

یہ کہ فرشتوں اور نبیوں کو رب بنانا کفر ہے، اس لیے جس نے بھی فرشتوں اور انبیاء کو وسیلہ و واسطہ بنایا، انہیں پکارا، اور ان پر توکل کیا، اور نفع و نقصان میں انہیں پکارا کہ ان کے گناہ معاف کر دیں، اور دلوں میں ہدایت ڈال دیں، اور تکلیفیں اور پریشانیاں دور کر دیں، اور فاقہ ختم کر دیں تو ایسا کرنے والے کے کفر پر مسلمانوں کا اجماع ہے.

آثار سے توسّل میں انحراف کے اسباب

توسّل ان مسائل میں شامل ہوتا ہے جس کے معنی و مفہوم میں لوگ خلط ملط کا شکار ہیں؛ اس کا سبب مشترک اور اجمالی اور مشتبہ معنی ہے.

اور یہ سب کتاب و سنت اور سلف امت کے فہم کی مخالفت اور لغت عرب سے کم علمی اور نفسانی خواہشات کی اتباع اور بعض گمراہ قسم کے افراد کے شخصی اغراض و مقاصد کی تکمیل کا نتیجہ ہے.

توسّل کے مسئلہ میں انحراف کے سب سے واضح اسباب توسّل اور دوسرے مسائل کے مابین خلط ملط باطل قیاس کا نتیجہ ہے:

1 – توسّل کا مشروع تبرّک پر قیاس کرنا.

2 – توسّل کا استغاثہ پر قیاس کرنا.

3 – توسّل کا مشروع شفاعت و سفارش پر قیاس کرنا.

ان تین امور کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے آپ کتاب کے (510-515) صفحات کا مطالعہ کریں.

آثار سے توسّل کے نتائج

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ آثار سے توسّل شرعا ممنوع ہے، اور اس کے نتیجہ میں توسّل کرنے والے کو خطرناک نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ان میں نمایاں نتائج یہ ہیں:

1 – بدعی توسّل شرک اکبر میں پڑنے کا ذریعہ ہے، اور یہ سب مزارات و آثار پر اعتکاف کرنے اور قبروں کی عبادت کرنے والوں سے دیکھا گیا ہے اور سب کو معلوم بھی ہے (کہ وہاں یہی کچھ ہوتا ہے)، کیونکہ جب ان لوگوں نے انبیاء و صالحین کے آثار اور مقامات سے توسّل اور اللہ تعالی کو ان کی قسمیں اور واسطے کو جائز قرار دیا تو اس کے نتیجہ میں انہیں پکارنا اور تکلیف و پریشانیوں میں ان سے مدد طلب کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف دوسری عبادات بھی شروع کر دیں، حالانکہ وہ عبادت صرف اللہ وحدہ لا شریک ہی کی کرنا تھی، حالانکہ ان کا دعوی صرف ان کے اپنے گمان کے مطابق مشروع توسّل تک محدود رہنے کا تھا.

2 – منکر قسم کی بدعات میں پڑ جانا، وہ اس طرح کہ مشروع توسّل کے ضمن میں ممنوع توسّل کو داخل کر دیا گیا مثلا: مخلوق کے مقام و مرتبہ، یا اس کے آثار کے واسطہ سے سوال کرنا، یہ ایک ایسی مخالفت ہے جو صرف اور صرف اہل سنت کے مخالفین سے ہی سرزد ہوتی ہے، اور اللہ کی ناراضگی اور اس کے غضب کا باعث بنتی

ہے، اس کے نتیجہ میں المناک عذاب ہوگا، اللہ سبحانہ و تعالی ہم سب کو سلامتی و عافیت سے نوازے۔

احیاء آثار کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی نمایاں تعبّدی مخالفات

تعبّدی اقوال واعمال اور اعتقادات شریعت کے ساتھ بہت گہرا تعلق رکھتے ہیں، وہ اس طرح کہ مسلمان شخص کوئی بھی عبادت کتاب و سنت کی صحیح دلیل کے بغیر سرانجام نہیں دے سکتا۔

اور اگر کوئی مسلمان بغیر کسی شرعی دلیل کے عبادت کرتا ہے تو اس کا یہ عمل سنت کے مخالف اور بدعت کے حکم میں داخل ہوگا، اور اس کا یہ عمل غلط اور قابل قبول نہ ہونے تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ اس عمل کے نتیجہ میں اسے گناہ اور سزا بھی ہوگی۔

چنانچہ ان آثار و مزارات پر کئی قسم کی قولی، فعلی اور قلبی عبادات بجالائی جاتی ہیں، اور بعض اوقات تو مختلف صورتوں میں اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے یہ ساری عبادات ایک ہی وقت میں سرانجام دی جاتی ہیں، چاہے ان عبادت کے ثبوت کی کوئی دلیل ہی نہ ہو، یا پھر وہ عبادت اصلاً شریعت میں ثابت تو ہوتی ہے لیکن کچھ تبدیلی اور غلو کے ذریعہ ثابت شدہ شرعی شکل و صورت اور طریقہ سے نکل جاتی ہے۔

اس بناپر ان مزارات وآثار کی جگہوں پر اللہ کے قرب اور تقرب کے نام سے کیے گئے اعمال بدعت شمار ہونگے؛ بلکہ بعض اوقات تو یہ اعمال شرک تک جا پہنچتے ہیں.

احادیث ومرویات کے آثار میں نمایاں تعبّدی مخالفات کی صورتیں:

احادیث سے ثابت شدہ بعض مباح اذکار ووضائف اور دعاؤں کو کسی چمڑے یا کاغذ وغیرہ پر لکھ کر تعویذ بنا کر پہننا، اور اس سے تبرک حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اس میں نظر بد اور نقصان سے بچنے، اور خیر وبرکت کے حصول کا اعتقاد رکھنا.

رسول کریم ﷺ کا فرمان ذی شان ہے:

"جس کسی نے بھی کوئی چیز لٹکائی (پہنی) تو اسے اس کی سپرد کر دیا جاتا ہے" مستدرک حاکم میں حسن سند کے ساتھ مروی ہے.

اور مسند احمد میں صحیح سند کے ساتھ مروی حدیث میں فرمان نبوی ﷺ ہے: جس کسی نے بھی کوئی تعویذ لٹکایا تو اس نے شرک کیا"

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں اسے شرک قرار دیا ہے؛ کیونکہ انہوں نے تعویذ پہن کر غیر اللہ سے تکلیف وپریشانی دور کرنا چاہی.

(اس وقت معاشرے میں) پھیلی ہوئی حرام تعبّدی مخالفات کی صورتوں میں سے یہ ایک صورت ہے، اس لیے جب لوگوں کو اس صورت سے منع کر دیا اور روک دیا

گیا ہے کہ : وہ تکلیف وپریشانی دور کرنے کے لیے ان شرعی ثابت شدہ وضائف و اذکار کو لکھ کر مت لٹکائیں، تو پھر وہ شرکیہ وضائف واوراد اور زاچے تو بالاولی حرام ہونگے.

نبی کریم کے جسم مبارک سے منفصل اور اس سے ملحق آثار کی تعبدی مخالفات کی نمایاں صورتیں:

ان آثار و تبرکات سے توسّل کرنا، اور ان کے سامنے عاجزی وانکساری کی حالت اختیار کرنا، اور انہیں مقدس سمجھتے ہوئے ہاتھ لگانا، اور چومنا، ان سے مدد طلب کرنا، اور یہ اعتقاد رکھنا کہ یہ اشیاء فائدہ دیتی اور نقصان سے محفوظ رکھتی ہیں، اور ایسا کرنے میں تباہی و بربادی سے بچ جائینگے، اور یہ بیماریوں اور دردوں سے شفایابی کا باعث ہیں، اور شیطان سے محفوظ رکھتی ہیں، مجبور ولاچار کی مدد کرتی ہیں، بغاوت سے بچاتی ہیں، ان اشیاء سے برکت حاصل کرنا، حالانکہ یہ اشیاء اور آثار تو صحیح سند کے ساتھ ثابت تک نہیں ہیں.

نبی ﷺ کے مقامات و جگہوں میں تعبّدی مخالفات کی نمایاں صورتیں:

1 – اس جگہ کی فضیلت وبرکت کا اعتقاد رکھتے ہوئے زادراہ لے کر سفر کر کے بار بار جانا.

2 – نبی ﷺ کی طرف منسوب جگہوں پر جاکر نماز کی ادائیگی اور وہاں تلاوت قرآن کرنا.

3 – جبل نور، جبل ثور وغیرہ دسرے پہاڑوں پر چڑھنا، نبی ﷺ کی طرف منسوب غاروں مثلا: غار حرا، غار ثور وغیرہ میں اس اعتقاد سے جانا کہ یہ برکت والی جگہ ہے اور اسے فضیلت حاصل ہے، وہاں جاکر دعائیں مانگنا، اور برکت کی غرض سے ہاتھ لگانا اور ان غاروں وغیرہ کے ساتھ مدد طلب کرنا.

4 – درختوں اور پتھروں پر اس اعتقاد سے دھاگے اور کپڑے باندھنا کہ یہاں سے برکت حاصل ہوگی، اور نفع ہوگا یا نقصان سے محفوظ رہیں گے، اور حاجتیں پوری ہونگی.

5 – نبی ﷺ سے منسوب مقامات و جگہوں پر مساجد اور قبے و گنبد تعمیر کرنا، کہ ان جگہوں پر نبی ﷺ نے نماز ادا کی تھی یا وہاں ٹھرے تھے.

تباہ شدہ پہلی امتوں کے آثارِ قدیمہ میں تعبّدی مخالفات کی نمایاں صورتیں:

ابتدا میں تو یہاں تعبّدی صورتیں واضح اور نمایاں نہیں ہوتیں، کیونکہ ان کا تعلق دل کے اعمال: محبت و تعظیم، دوستی و دشمنی، اور شرک اور اہل شرک سے برات نہ کرنا جیسی دوسری قلبی عبادات، لیکن جیسے ہی یہ دل میں بیٹھ جاتیں ہیں تو پھر اس

کا اظہار جسم کے اعضاء سے شرعی مخالفت کی کئی ایک تعبّدی صورتوں سے ہوتا ہے.

تباہ شدہ پہلی امتوں کے آثار قدیمہ میں تعبّدی مخالفات کی بعض نمایاں صورتیں:

ان آثارِ قدیمہ کو دیکھنے کے لیے سفر کرنا، اوران عمارتوں کی تعظیم میں ایسے اوصاف بیان کرنے؛ جس کی بناپر لوگ انہیں مقدس سمجھنے لگیں، اور پھر اس کی عبادت ہونے لگے!

اسے نہ توہمیں بعید سمجھنا چاہیے اور نہ ہی مستحیل بلکہ اہل جاہلیت نے اساف اور نائلہ جیسے آثار کے ساتھ یہی کچھ کرتے ہوئے ان کی عبادت شروع کردی!!

حالانکہ ان سے پہلے لوگ اور نسلیں توانہیں بطور نصحیت و عبرت دیکھا کرتے تھے کہ اللہ تعالی نے انہیں مسخ کر کے ذلت اِمیز عذاب سے دوچار کیا، لیکن اس کے باوجود کچھ عرصہ بیت جانے کے بعد نئ نسل نے ان کی عبادت شروع کردی.

جاہلی اور بت پرستانہ آثار قدیمہ میں تعبّدی مخالفات کی نمایاں صورتیں:

1 – قدیم تاریخ کی بیداری؛ تاکہ جاہلی نسبت کو پروان چڑھایا جاسکے، اور قدیم تاریخ کے احیاء کے نام سے بت پرستانہ اور جاہلیت والے آثار کے احیاء کی کوشش

کی جارہی ہے، اور تاریخ قدیم سے محبت کا دعوی اور اسی کی وجہ سے ولاء و دوستی اور دلوں میں جاہلی دور کے رسم ورواج پر فخر اور تعظیم پیدا کرنے کا حیلہ ہے.

2 – جس جگہ بت اور مورتیاں ہیں وہاں داخل ہونے سے قبل وہاں بتوں کے لیے ہدیہ و تحفہ جات پیش کرنے، موجودہ دور میں اس کی نئی صورت یہ ہے کہ جب سیاح یورپ کے عجائب گھروں یا پھر کافر ممالک میں عبادت خانوں میں جاتے ہیں تو دروازوں کے پاس موجود گفٹ سینٹر سے گفٹ خریدنے کا کہا جاتا ہے، اور وہ گفٹ اندر جا کر ایک مخصوص جگہ رکھ دیا جاتا ہے، یہ بالکل اسی بت کے چڑھاوا جیسا ہی ہے جیسا کہ دور جاہلیت میں کیا جاتا تھا، اور اب عجائب گھروں یا نمائش گاہ میں رکھی گئی مورتیوں پر چڑھاوے کے مترادف ہے.

3 – بعض بت پرستانہ آثارِ قدیمہ میں داخل ہوتے ہوئے جھک کر گزرا جاتا ہے کیونکہ وہاں جگہ ہی تنگ ہوتی ہے یا پھر چھت نیچی رکھی گئی ہے، جس کا مقصد زائر کو جھک کر داخل ہونے پر مجبور کرنا ہے؛ جیسا کہ اہرامات مصر کے پاس ہو رہا ہے.

اس کے علاوہ دوسری قلبی یا قولی یا فعلی عبادات کی صورتیں بھی بہت ہیں جو اصل توحید یا پھر کمالِ توحید کے خلاف ہیں.

قبروں اور مزارات پر تعبّدی مخالفات کی نمایں صورتیں:

1 – قبروں اور مزارت کی تعظیم، اور انہیں آباد کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں مالی اور معنوی طور پر مضبوط کرنا.

2 – اولیاء و صالحین کی قبروں کو (قبرستان سے) علیحدہ بنا کر نمایاں کرنے کے ساتھ اونچا کر کے وہاں مسجد اور مزارات بنانا.

3 – مزارات و قبروں پر قبے و گنبد اور عمارت تعمیر کرنا، اور ان پر کتبے لگانا، چراغاں کرنا.

4 – ختم شدہ اور مٹی ہوئی قبروں کا احیاء، اور انہیں نمایاں کر کے ان کی دیکھ بھال کا اہتمام کرنا.

5 – گمراہ قسم کے داعی اولیاء کی تعظیم اور ان کے حق کی ادائیگی کی حجت و دلیل سے عام لوگوں کو بدعتی اور شرکیہ مزارات و قبروں کی زیارت کی دعوت دینے کی کوشش وجدو جھد کرتے ہیں.

زیارت قبر کے وقت زائر سے صادر ہونے والی تعبّدی مخالفات کی نمایاں صورتیں:

1 – قبروں اور مزارت کا دل میں تعلق اور تعظیم پیدا ہونا، قبر میں مدفون افراد سے توسّل کرنا، اور قبروں کی مٹی سے تبرک حاصل کرنا، حصول برکت کے لیے قبروں کو چھونا اور بوسہ لینا.

2 – مزارات و قبروں کی زیارت کے لیے سفر کرنا، اور وہاں بدعتی امور سرانجام دینا، جیسا کہ ھود علیہ السلام کی طرف منسوب قبر پر کیا جارہا ہے.

3 – قبروں اور مزارات پر جاکر قبروں کا رخ کر کے اس اعتقاد سے دعا مانگنا کہ یہاں دعا قبول ہوتی ہے، اور اسی طرح وہاں نماز پڑھنا اور قرآن کی تلاوت کرنا، اور قبر والے کے لیے ذبح کرنا.

4 – قبروں پر اس اعتقاد سے چڑھاوے چڑھانا، اور قبروں والوں کی لیے منت و نذر ماننا، کہ یہ سب کچھ فوت شدگان کو بالکل ایسی ہی پہنچتا ہے جیسے زندہ افراد کو.

5 – پریشانیاں اور تکالیف دور کرنے کے لیے فوت شدگان سے مدد طلب کرنا، اور انہیں پکارنا، گناہ معاف کرنے کا کہنا، دشمن کے مقابلے میں مدد و نصرت طلب کرنا، اور مصائب دور کرنے کا کہنا.

6 – قبروں کا طواف کرنا، عاجزی وانکساری کرتے ہوئے آہ بکا کرنا، اپنی حاجات و ضروریات طلب کرنا، وہاں کے در و دیوار اور پردے چھونا، وہاں لکھ کر لٹکانا، زنجیریں باندھنا.

7 – قبروں کی زیارت کے لیے وقت اور دن مقرر کرنا: پندرہ شعبان، عید کے روز، آٹھ شوال والے دن، نماز جمعہ کے بعد، یا دوسرے اوقات اور موسم مقرر کر لینا جس کے متعلق اللہ تعالی نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی.

میں نے یہ چند ایک تعبّدی مخالفات کی صورتیں اختصار کے ساتھ ذکر کی ہیں بطور حصر نہیں، وگرنہ قبروں اور مزارات پر اس وقت جو غیر اللہ کی عبادات کی جارہی ہے وہ بہت ہی زیادہ ہے، حتی کہ حالت تو یہ ہو چکی ہے کہ قبروں کو ایسا بت بنا لیا گیا ہے جس کی اللہ کے علاوہ عبادت کی جارہی ہے، قبروں اور مزارات پر نماز ادا کی جا رہی ہے، انہیں مساجد بنا لیا گیا ہے، اس پر چڑھاوے چڑھائے جارہے ہیں، ان کی تعظیم کی جارہی ہے، طواف ہو رہے ہیں، جو کہ بلاشک و شبہ شرک ہے.

یہ یاد رکھیں حکم کے اعتبار سے یہ مخالفات ایک جیسی نہیں، بلکہ اس کے کئی ایک درجے ہیں، بعض تو شرک اکبر اور صریح کفر کا درجہ رکھتی ہیں، اور بعض اس سے کم بدعت کے درجہ تک، لیکن یہ یاد رکھیں دین میں ہر قسم کی بدعت حرام ہے، چاہے وہ چھوٹی سی بھی ہو وہ شریعت میں حرام ہو گی، بعض لوگوں کا دین میں مکروہ

بدعت کا گمان رکھنا بھی صحیح نہیں، کیونکہ کوئی بھی بدعت مکروہ نہیں بلکہ سب حرام ہیں، اس کی دلیل درج ذیل فرمان نبوی ﷺ ہے:

"ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی آگ میں ہے" حدیث صحیح ہے.

اس لیے بدعت کا معاملہ بہت ہی خطرناک ہے، لیکن اکثر لوگ اس کے متعلق غفلت کا شکار ہیں، اور اس کو جاننے کی حرص صرف کتاب و سنت پر عمل کرنے والوں کا ایک گروہ (اہل حدیث) ہی ہے.

چنانچہ ابھی اوپر بیان کردہ تعبّدی مخالفات کی صورتیں سنت نبویہ کی مخالف ہیں، نہ تو رسول کریم ﷺ نے ایسا کیا اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حالانکہ وہ دین کی شدید تعظیم اور حرص رکھنے والے تھے، اگر یہ خیر و بھلائی ہوتی تو وہ لوگ ہم سے اس کام میں ضرور سبقت لے جاتے.

امام بربہاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب شرح السنۃ (24) میں بدعات اور اس کے خطرات کے متعلق بہت ہی خوبصورت اور فائدہ مند بات کی ہے:

"آپ چھوٹی چھوٹی بدعات سے بھی بچ کر رہیں، کیونکہ چھوٹی بدعات کی عادت ہونے پر بڑی بدعات ہو جاتی ہیں، اور اسی طرح اس امت میں ہر بدعت کی ایجاد کے وقت چھوٹی ہی نہ تھی بلکہ حق کے مشابہ بھی تھی، اس طرح لوگ اس سے

دھوکہ کھا کر بدعات میں پڑ گیئے، اور اس سے نہ نکل سکے، اور یہ بدعات بڑھ کر دین کا حصہ بن گیئیں، اور صراط مستقیم کے مخالف ہو کر اسلام سے ہی باہر ہو گیا.

اللہ آپ پر رحم فرمائے دیکھیں اپنے دور کے ہر شخص کی بات سن کر جلد بازی سے کام لے کر کوئی بھی کام مت کریں، جب تک اس کے متعلق دریافت نہ کر لیں کہ آیا اس کے متعلق صحابہ کرام نے کچھ کہا ہے، اگر تو اس میں آپ کو کوئی اثر مل جائے تو اس پر عمل کریں، اور اس سے تجاوز مت کریں، اور اس کے مقابلہ میں کچھ اور اختیار مت کریں وگرنہ آپ جہنم میں جائینگے.

یہ علم میں رکھیں کہ طریقِ حق سے دو طرح ہٹا جاتا ہے:

ایک تو یہ ہے کہ: ایک شخص راستہ سے ہٹ گیا، لیکن وہ صرف خیر و بھلائی ہی چاہتا ہے، اس لیے اس کی اس غلطی پر نہیں چلا جائیگا، کیونکہ وہ ہلاک ہونے والا ہے.

اور دوسرا یہ ہے کہ: حق کی مخالفت کرتے ہوئے اپنے سے پہلے متقی لوگوں کی بھی مخالفت کی، یہ شخص خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے، اور اس امت میں شیطان کا مرید و چیلہ ہے، جو بھی ایسے شخص کو جانتا ہو اسے باقی لوگوں کو اس کی متعلق ضرور بتانا چاہیے کہ یہ شخص ایسا ہے لہذا اس سے بچ کر رہو، تاکہ لوگ اس کی بدعات میں پڑ کر تباہ نہ ہو جائیں.

اللہ تعالی آپ پر رحم فرمائے یہ بھی علم میں رکھیں کہ : مسلمان شخص کا اسلام اسی صورت میں مکمل ہوتا ہے جب تک وہ متبع ، مصدّق اور مطیع نہ ہو جائے، اس لیے جو کوئی بھی یہ گمان رکھے کہ صحابہ کرام نے کفائت نہیں کیا بلکہ اسلام میں سے کچھ باقی رہ گیا ہے تو اس شخص نے صحابہ کرام کو جھٹلایا ہے، یہ شخص ان پر طعن کر رہا ہے اور فرقہ بازہی نہیں خود بھی گمراہ ہے اور لوگوں کو بھی گمراہ کر رہا ہے، اور دین اسلام میں وہ کچھ داخل کر رہا ہے جس کا دین اسلام سے کوئی تعلق بھی نہیں"

اورامام مالک رحمہ اللہ الخالق نے بہت ہی عمدہ بات کہی ہے : اس امت کے آخر میں آنے والوں کی اصلاح بھی اس سے ہو گی جس سے اس امت کے پہلے لوگوں کی اصلاح ہوئی تھی، اور جو چیز اس وقت دین نہ تھی وہ آج بھی دین نہیں بن سکتی.

اللہ سبحانہ و تعالی ہمارے حبیب اور نبی محمد ﷺ پر رحمتیں نازل فرمائے، آپ کا فرمان ذی شان ہے :

میں نے تمھیں جنت کے قریب اور جہنم سے دور کرنے والی ہر چیز بیان کر دی ہے. مصنف عبد الرزاق السلسلۃ الصحیحۃ(7/67 حدیث نمبر 2866) .

درج ذیل امور میں نمایاں عقدی مخالفات کے لیے بار کوڈ کو دیکھیں :

1 – روایات واحادیث کے آثار.

2 – نبی کریم کے جسم مبارک سے منفصل آثار.

3 – نبی کی طرف منسوب مقامات و جگہ کے آثار.

4 – پہلی تباہ شدہ امتوں کے آثار.

5 – جاہلی اور بت پرستانہ آثار.

6 – قبروں اورمزارات کے آثار.

7 – قبروں کی زیارت کے وقت کی جانے والی مخالفات.

احیاءِ آثار کے متعلق عقدی مخالفات اوراس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی خرابیوں کے اسباب

احیاءِ آثار کا فتنہ قومِ نوح میں پیدا ہوا، اور اس کے بعد آنے والی سب امتوں میں پھیل گیا؛ مثلا قومِ عاد، قومِ ثمود، اور اہل مدین، اس کے بعد یونانی فلاسفہ کے ہاں اور آخر میں یہود و نصاری سے ہوتا ہوا جزیرۃ العرب آ پہنچا.

ان امتوں کے نتیجہ میں آثار کا فتنہ پیدا ہوا، اور اس میں بھی شدید ترین فتنہ احیاء قبور اور تعظیمِ قبور کا ہے؛ اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد و اتفاق تباہ ہو کر رہ گیا، چنانچہ سادہ لوح لوگ اور عام الناس ہی نہیں بلکہ بدعات کو رواج دینے والے دعاۃ فتنہ کا شکار ہو کر رہ گئے، دین اسلام میں سب سے پہلے اس بیماری کا شکار

ہونے اور لانے والے رافضی شیعہ لوگ ہیں؛ یہی اس بیماری کی اصل ہیں، انہیں رافضیوں سے ہی اس بیماری کا سلسلہ صوفیت بھی صوفیوں میں پھیلا ہے.

چنانچہ فرقوں کا حق سے انحراف اور آثار مرئیہ کے متعلقہ جتنی بھی مخالفات ہیں ان میں اکثر کا تعلق احادیث نبویہ کی روایات و آثار میں افراط و تفریط کی بنا پر ہوا ہے، جو کہ ان کے انحراف کا اساسی و رئیسی سبب ہے، اور یہ بات طے اور معلوم شدہ ہے کہ جب دل بدعات کے پیچھے لگ جائیں تو پھر سنت سے اعراض شروع ہو جاتا ہے.

چنانچہ بندوں میں یہ فتنہ عام ہو گیا اور مختلف علاقوں اور ملکوں میں عام پھیل گیا، الا یہ کہ اللہ سبحانہ و تعالی جسے توحید پر باقی رکھے وہ اس فتنہ سے ابھی تک محفوظ ہے.

خلاصہ :

صحیح منہج اور صراط مستقیم کے مخالفین کے حالات کا بغور مطالعہ کرنے اور دیکھنے والا یہ ضرور محسوس کریگا کہ مخالفین نے مرئی آثار کا اہتمام کرتے ہوئے اس کی تعظیم کرنا شروع کر دی اور صحیح روایات سے غفلت ہی نہیں برتنے لگے، بلکہ صحیح روایات کو معطل کر کے رکھ دیا، بہت ہی تعجب ہوتا ہے ایسے شخص پر جس نے یقینی اور ثابت شدہ اثر و روایت کا انکار کرتے ہوئے اس سے غفلت برتنی شروع کر

دی، اور اس کی بجائے ظنی و گمان کے آثار کا اہتمام ہی نہیں کیا، بلکہ اس کی تعظیم کرتے ہوئے اسے ثابت بھی کرنے لگ گیا!

احیاء آثار (یادگاروں کی بحالی) کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی عقدی مخالفتوں کے اسباب

اللہ سبحانہ و تعالی نے انسان کو فطرتاً توحید پر پیدا فرمایا ہے، اصل میں سب لوگ اسی توحید پر قائم تھے؛ لیکن جب اس توحید سے انحراف ہوا اور لوگ احیاء آثار کی بدولت بدعات و شرکیات میں پڑگئے تو اس کے نتیجہ میں کئی ایک انحرافات اور مخالفتیں پیدا ہوئیں جن کے کچھ اسباب ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں:

1 – اس حقیقتِ توحید سے جہالت جس کی بنا پر اللہ سبحانہ و تعالی نے رسول مبعوث کیے اور شرک اور اس کے وسائل کا قلع قمع کیا، اور اسی طرح دینی احکام اور شرعی مقاصد سے جہالت بھی اس میں کارفرما رہی ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ عربی زبان کے اِصول و قواعد اور اسلوب کا علم نہ ہونا بھی شامل تھا، چنانچہ جاہل قسم کے لوگ مشرکین کی مشابہت میں کوئی حرج نہیں سمجھتے.

ہر مخالفت کی اصل اور اساس عمومی جہالت ہے، جس سے دوسرے اسباب بھی پیدا ہو جاتے ہیں.

2 – خواہشات کی پیروی اور رائے پر اعتماد، گمراہی وضلات اور انحراف کی اصل یہی ہے، چنانچہ جو ان کے خواہشات کے موافق ہو اس پر عمل کرتے ہیں، اور جو مخالف ہو اسے ترک کر دیتے ہیں، کیونکہ خواہشات کی پیروی کرنے والا شخص اپنی غرض اور مقصد پورا کرنے کے لیے شرعی دلائل میں تحریف کر کے اپنی خواہش کے مطابق حکم اخذ کرتا ہے، یہ قانون سازی کے معاملہ کو برعکس کرنا اور دلائل میں شرعی مقصد اور غرض کو خراب کرنے کے مترادف ہے، جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے:

﴿اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہو سکتا ہے جس نے اللہ کی ہدایت کے سوا اپنی خواہشات کی پیروی کی﴾ القصص (50).

اپنے انحرافات کو جائز کرنے کے لیے شبہات پر عمل کرتے ہیں، لیکن یہ توان کے لیے بالکل مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہے، جیسا کہ کسی شاعر نے مخالفین کے دلائل کمزور ہونے کے متعلق کیا ہی خوب کہا ہے:

حق سے خالی دلائل شیشے کی طرح کرچی کرچی ہوگئے ، اور ہر توڑنے والا خود ہی ٹوٹا ہوا ہے.

3 – مخالفِ شریعت اور موضوع و من گھڑت احادیث پر اعتماد کرتے ہوئے ان احادیث سے استدلال کرنا.

4 – گمراہ قسم کے دعاۃ کا بدعات وخرافات پر اعتماد اور عام لوگوں میں اس کی ترویج کرنا جیساکہ صحیح بخاری میں انہی لوگوں کے متعلق فرمان نبوی ﷺ ہے:

" جہنم کے دروازوں پر یہ ایسے دعاۃ ہیں جس نے بھی ان کی بات مانی وہ اسے جہنم میں لے جائینگے.."

ان کا نصوص میں تحریف کرنا، اور دلوں میں شبہات کا جاگزین ہونا، اور بدعات کی ترویج کی بناپر خفیہ شہوات کی تکمیل اور مال وجاہ کا حصول بھی ایک سبب ہے.

5 – شرعی احکام کے میں قصے کہانیوں اور خرافات و شیطانی خوابوں پر اعتماد.

6 – مخالفات میں سستی، اور امر بالمعروف والنہی عن المنکر میں سستی وبے عملی، اور بعض علماء کا سکوت اختیار کرنا؛ کیونکہ جب عام لوگ دیکھتے ہیں کہ اس کام کو روکا نہیں جارہا تو وہ اسے شرعی کام تصور کرنا شروع کر دیتے ہیں، چنانچہ جب بھی سنت کا عالم خاموشی اختیار کریگا تو اس کے مقابلے میں ایک بدعت کی دعوت دینے والا ضرور اٹھ کر بدعت کی دعوت دینے لگے گا؛ اس لیے جس علاقے میں علماء سنت کی کمی ہو وہاں بدعات کی کثرت ہو جاتی ہے.

7 – اندھی تقلید کی بناپر بدعات ایک عادت سی بن جاتی ہے جس کا ترک کرنا مشکل ہو جاتا ہے.

8 – عقل کے ساتھ غلو کرنا، اور اسے اس مقام و مرتبہ تک لے جانا جس کی وہ مستحق نہیں یعنی اسے شریعت سازی کا حق دینا اور شریعت پر مقدم کرنا۔

9 – کتاب وسنت کی باطل تاویلات و تفسیر کرنا، چاہے سوءِ فہم کی بناپر ہو یا خبث باطن اور خبث نیت کی وجہ سے، اس لیے کتاب و سنت کی نصوص کی سلف صالحین کی تفسیر و تشریح کو ترک کرنا مخالفات کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔

10 – عقدی مخالفات میں پڑنے کا ایک بڑا سبب صالحین میں غلو ہے، جب ان لوگوں نے اولیاء و صالحین کی قبروں کا احیاء کیا تو قبروں کی تعظیم کرتے ہوئے غلو کرنا شروع کردیا، حالانکہ کتاب وسنت میں غلو کرنے کی صریحاً ممانعت آئی ہے اور اس کے خطرات بیان ہوئے ہیں۔

11 – تعصب رکھتے ہوئے حق ترک کر کے صرف اس لیے آراء اور شخصیت پرستی کرنا کہ ہمارے آباء واجداد اور مشائخ ایساہی کیا کرتے تھے، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے ان کے متعلق فرمایا ہے:

﴿جب انہیں اللہ تعالی کی نازل کردہ کتاب کی پیروی کرو تو جواب میں کہتے ہیں کہ ہم تو اس طریقے کی پیروی کرینگے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا﴾ البقرة(170).

12 - اکثر معاملات میں کفار کی مشابہت اور کفار کی تقلید کرنا جیسا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

"یقینا تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں کی پیروی کرو گے بالشت کے برابر اور ہاتھ ہاتھ کے برابر حتی کہ اگر وہ ضب (گوہ) کے سوراخ میں داخل ہوئے تو تم بھی وہاں داخل ہونے کی کوشش کرو گے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ تعالی کے رسول ﷺ کیا اس سے مراد یہود و نصاری ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو اور کون ہیں؟" صحیح بخاری.

عقدی انحراف اور بہت ساری مخالفات کے نمایاں اسباب یہی ہیں جن میں سے بڑا اور بنیادی سبب احیاء آثار ہے، یہاں ایک معاملہ کی تنبیہ کرنا ضروری ہے کہ کسی بھی مخالفت اور انحراف کی مزاحمت اور مقابلہ کرنے کے لیے علم اور عالم دین کا ہونا ضروری ہے، اس کے بغیر شرعی مخالفت کی مزاحمت اور مقابلہ نہیں ہو سکتا، اس لیے اگر علم اور علماء ہی مفقود ہو جائیں تو بدعات و شرکیات کو ظاہر ہونے کا موقع اور فرص مل جاتی ہے، اور گمراہ لوگ پھیل جاتے ہیں.

خلاصہ:

احیاء آثار (یادگار) کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی عقدی غلطیوں اور مخالفات کے نمایاں اسباب میں جہالت سب سے بڑا سبب ہے، کیونکہ جہالت ہر مخالفت کی

اساس و اصل ہے، باقی سارے اسباب اس کی فرع ہیں، اسی طرح ان اسباب میں خواہشات کی پیروی اور آراء پر اعتماد کے ساتھ ساتھ صاحب رائے کا تعصب، اور موضوع و من گھڑت احادیث و روایات اور بناوٹی قصے کہانیوں کی نشر و اشاعت، گمراہ قسم کے دعاۃ و مشائخ کا ان پر اعتماد، اور اولیاء و صالحین میں غلو، عقل و دانش میں غلو کرنے کے ساتھ ساتھ آراء و شخصیات کا تعصب رکھنا، کفار سے مشابہت اور ان کی تقلید، امر بالمعروف والنہی عن المنکر سے سستی و بے عملی کہ بدعات و خرافات پھیل گئیں.

احیاءِ آثار (آثارِ قدیمہ اور تبرکات نبویہ وغیرہ) کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی خرابیاں

حکمت سے پر شارع نے کسی بھی چیز پر بغیر کسی فائدہ کے پابندی نہیں لگائی، بلکہ اس کی حرمت میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہے (چاہے وہ حکمت ہمیں سمجھ آئے یا نہ آئے) اس لیے جب ہم بت پرستانہ جاہلیت والے آثار کے احیاء خاص کر قبروں کے احیاء اور ان پر مساجد کی تعمیر اور مزارت و قبے و گنبد بنانے، قبروں پر چادریں چڑھانے، اور چراغ جلانے، اور گدی نشینی، اور وہاں چندے کے لیے ڈبے رکھنے اور نذر و نیاز وصول کرنے، اور قبروں کا طواف اور وہاں اعتکاف کو ممکن بنانے، وہاں نماز کی ادائیگی جیسے دوسرے شرعاً ممنوع کاموں کا بغور جائزہ لیتے ہیں تو اس کے خطرناک نتائج ثابت اور اس کے برے اثرات و خرابیاں پیدا ہوتی ہیں جن کا شمار ہی ممکن نہیں.

اور شریعت جس سے منع کرتی ہے اس میں ایک مستقل حکم ہے، جب یہ طے ہو گیا تو ہمیں علم ہوا کہ جب کسی شرعی محذور کا تعلق عقیدہ سے ہو تو پھر اس کا نتیجہ اور زیادہ خطرناک ہوگا؛ مثلاً آثار و یادگاروں کے پاس ہونے والی شرعی مخالفات جس کے متعلق اور اس سے پیدا ہونے والی خرابیوں کے بارہ میں کلام کر رہے ہیں.

احیاءِ آثار (آثارِ قدیمہ اور تبرکات نبویہ وغیرہ) سے پیدا ہونے والی عام خرابیاں:

احیاءِ آثار کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اہم خرابیاں یہ ہیں:

1 – عام جگہوں پر بتوں اور مورتیوں کو ظاہر کرنے کی وجہ سے شرکیہ مظاہر کی واپسی جو کہ شرک اور سب سے بڑے ظلم جیسے عظیم گناہ کی طرف لے جانے کا باعث ہے.

کیونکہ شرک کی بہت ساری صورتیں ہیں، اکثر لوگوں کا اس کا علم بھی نہیں ہوتا جو کوئی بھی ان حقیقی یا بغیر کسی دلیل کے مزعوم آثار و یادگاروں کے پاس جائے گا، وہاں دیکھے کہ جاہل قسم کے لوگ کیسے اس کی مٹی، درختوں اور پتھروں کو چومتے اور چھوتے ہیں، وہاں نماز ادا کرتے ہیں، اور وہاں دعائیں اس گمان سے کرتے ہیں کہ ایسا کرنا اللہ کے قرب کا باعث ہے، اور اس طرح سفارش حاصل جائیگی، اور پریشانیاں و تکالیف جاتی رہینگی، کیونکہ نفوس تو جبلی طور پر ہی کمزور پیدا ہوئے ہیں اور جہاں فائدے کا گمان ہو اسی کے ساتھ تعلق قائم کر لیتے ہیں.

2 – مسلمانوں کے ہاں ولاء اور براء یعنی دوستی و دشمنی کا عقیدہ عدم استحکام کا شکار ہے اس کا سبب بت پرستانہ جاہلی اور فرعونی اور بابلی اور فینقی تہذیب و تمدن اور

اسے دین اسلام پر مقدم کرنا ہے، تاکہ مسلمانوں کی دلوں میں اسلام کی اتنی قدر نہ رہے جتنی جاہلی تاریخ اور مزعوم عظمت کو حاصل ہے۔

3 – سنتوں کا خاتمہ اور بدعات کی ایجاد واحیاء۔

4 – دین کی صحیح تعلیمات اور صحیح منہج نہ رکھنے والے شخص کے لیے دین اسلام کی کی ساکھ کی توہین۔

5 – مسلمانوں میں قومیت اور عنصریت کا پھیلانا، حالانکہ دین کی سب سے نمایاں دینی اور اخلاقی اقدار ہے کہ دین اسلام میں عنصریت نہیں اور مسلمانوں میں کوئی فرق وامتیاز نہیں، لیکن احیاء آثار ان اقدار کو مستحکم نہیں رہنے دیتا۔

6 – انواع واقسام کے جھوٹ وکذب بیانی کا شکار ہو جانا:

جھوٹ کی پہلی قسم: رسول کریم ﷺ کے ذمہ جھوٹ باندھنا: بلا شک و شبہ یہ جھوٹ تو سب سے شدید ہے، نبی ﷺ کے ذمہ کئی قسم کا جھوٹ لگایا جاتا ہے جسے ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں:

أ – ان آثار و یادگاروں کی زیارت کے مشروع ہونے پر استدلال کرنے کے لیے نبی ﷺ پر قولی جھوٹ باندھا جاتا ہے مثلا:

1 – نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کی فضیلت میں موضوع احادیث۔

2 – بیت المقدس میں چٹان کی فضیلت میں موضوع احادیث.

ب – نبیﷺ کے جسد مبارک سے منفصل آثار و تبرکات کو نبیﷺ کی طرف منسوب کرنے میں جھوٹ مثلا: بال مبارک، جبہ و قمص اور چادر مبارک، پگڑی شریف، اور اسی طرح نبیﷺ کے وضوء کا باقی مانندہ پانی، مختلف جگہ پر نبی ﷺ کی پاؤں کی طرف منسوب سات جگہوں میں مختلف پتھروں پر نشانات، اس کے نقلی ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ یہ نشانات مختلف سائز کے ہیں، کوئی بھی دوسرے کے موافق مطابق نہیں ہے!!

جھوٹ کی دوسری قسم: صحابہ کرام اور تابعین عظام اور تبع تابعین کے منہج پر چلنے والوں صالحین کے ذمہ جھوٹی باتیں لگانا، یہ تین طرح کے ہیں:

1 – ان پر قولی جھوٹ: مثلا بعض جگہوں کی فضیلت میں ان کی طرف منسوب جھوٹی روایات.

2 – فعلی جھوٹ: ان کی قبروں کے پاس خیر وبرکت کے جھوٹے قصے.

3 – جگہ کی تعیین کے متعلق جھوٹ: یہ قسم بہت کثرت سے ہے، وہ اس طرح کہ خاص کر بعض انبیاء و صحابہ کرام اور صالحین عظام کی قبروں کی جگہوں اور اسی طرح مساجد اور پیدائش کی جگہ کی برکت کے دعوی کے ساتھ تعیین کرنا حالانکہ اس کی کوئی شرعی دلیل تک نہیں ملتی.

خلاصہ :

احیاء آثار کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی نمایاں خرابیوں میں شرکیہ مظاہر کا دوبارہ واپس آنا، اور مسلمانوں کے الولاء والبراء (دوستی ودشمنی) کے عقیدہ کو عدم استحکام پیدا کرنا، دین اسلامی کی شہرت کو نقصان پہنچانا، اور مسلمانوں میں قومیت کا عنصر پیدا کرنا، اور ہر قسم کا جھوٹ اور کذب بیانی عام کرنا، مسلمان ممالک اور اراضی پر اسلام دشمن طاقتوں کا قابض ہونا.

قبروں اور مزارات کے احیاء کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی خرابیاں :

1 – ان قبروں کو اللہ تعالی کے ہاں افضل ترین جگہ سے بھی زیادہ فضیلت دینا، کیونکہ بعض مزارات اور قبروں کی تعظیم اور احترام کیا جاتا ہے، وہاں خشوع و خضوع اور عاجزی اختیار کرتے ہیں، یہ تعظیم مسلمان کے لیے فتنہ و فساد کا باعث ہے، جس کے نتیجہ میں مزارات اور قبریں آباد اور مساجد بے آباد و ویران کی جارہی ہیں.

ایسی ہی بعض زائرین کا خیال ہے کہ ان مزارات کی زیارت حج بیت اللہ کے برابر ہے (جیسا کہ پاکستان میں سندھ کے علاقے سیہون میں لعل قلندر کے دربار پر ہوتا ہے. از مترجم)اور کچھ زائرین تو اس زیارت کو حج بیت اللہ سے بھی افضل مانتے ہیں، اور بعض غالی قسم کے بدعتیوں نے درباروں کی زیارت تو بیت اللہ کے ستر حج کرنے سے بھی افضل قرار دی ہے !

2 – ان قبروں اور مزارات پر ہجوم کر کے میلہ گاہ بنا لینا، اور بار بار زیارت کے لیے جانا اور سالانہ عرس منانا.

3 – قبروں پر خلاف شرع کام کر کے قبروں والوں کو اذیت و تکلیف دینا، حالانکہ ان قبروں میں مدفون لوگوں کی جانب سے ان امور کے حرام اور مکروہ ہونے کی صراحت بھی موجود ہے، جیسا کہ بغداد میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور مصر میں امام شافعی رحمہ اللہ کی قبر پر ہو رہا ہے.

4 – قبروں پر جو کچھ ہو رہا ہے اس میں بت پرستوں کے ساتھ دو اعتبار سے مشابہت پائی جاتی ہے:

اول – انہیں شرک کا ذریعہ بنا لیا گیا مثلا: قبر پر مسجد یا گنبد و قبہ وغیرہ بنا کر قبر کی تزیین کر لی گئی، اور اس پر سونا اور چاندی سے مزین کر دیا، سنگ مرمر اور پتھر لگا کر پردوں سے مزین کر دیا، وہاں چراغ او را گربتیاں اور قندیلیں جلائی جاتی ہیں، گدی نشینی اختیار کی جاتی ہے، چندے کے ڈبے رکھنا، اور قبروں کے گرد طواف وغیرہ کرنے کو ممکن بنانا.

دوم – زائرین کا صریحاً شرکیہ افعال سر انجام دینا، مثلا: قبر کا طواف، اور وہاں اعتکاف کرنا، قبر کے لیے منت و نذر ماننا، چھونا اور بوسہ لینا، قبر سے تبرک حاصل کرنا، مدد طلب کرنا، دعا کرنا، نماز کی ادائیگی وغیرہ دوسری عبادات کا بجالانا.

5 - علم سے برائے نام منسوب افراد کا ان مزارات اور یادگاروں کے متعلق تساہل برتنے کے نتیجہ میں عالم اسلام میں قبروں اور مزاروں اور یادگاروں کی کثرت ہو چکی ہے، حتی کہ اس وقت انہیں دین اسلام کا نشان اور علامت سمجھا جانے لگا ہے، مثلا ہندوستان میں تاج محل جسے دنیا میں بہت بڑا سیاحتی مرکز سمجھا جاتا ہے، حالانکہ یہ تو بہت بڑا مزار ہے جسے ایک بادشاہ نے اپنی فوت شدہ بیوی کے لیے بطور یادگار تعمیر کراوایا تھا.

اس وقت مصر میں عظیم فتنوں میں ایک فتنہ احمد بدوی اور عراق میں علی رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ اور عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کے مزارات ہیں.

یہ سب یادگاریں اور مزارات ایک ایجاد شدہ ایسی بدعت ہے جہاں ساری دنیا سے زائرین اور قاصدین مدد طلب کرنے جاتے ہیں.

اور غالبا اور اکثر یہی ہوتا ہے کہ کسی ولی یا نبی کی قبر کی جگہ کی تعیین خواب پر مبنی ہوتی ہے، وہ اپنے خیال اور وہم سے ایک قصہ گھڑ کر لوگوں کو سنا دیتے ہیں، یا پھر وہاں جانور دفن ہوتے ہیں، خبریں ان افراد سے نقل کی جاتی ہیں جنہیں کوئی جانتا تک نہیں ہوتا، اور نہ ہی ان کا کوئی اتہ پتا ہوتا ہے، یا پھر وہ شخص چغل خور ہوتا ہے اسے اس کی حقیقت کا علم بھی نہیں ہوتا.

پھر اس کے نتیجہ میں اسے مسجد بنالیا جاتا ہے، اور وہ اللہ کے علاوہ غیر اللہ کی عبادت کا بت بن جاتا ہے؛ یہ ایسا شرک ہے جو جھوٹ و بہتان پر قائم ہے.

اللہ سبحانہ وتعالی نے اپنی کتاب قرآن مجید میں شرک وکذب کو بالکل ایسے ہی ملا کر بیان کیا ہے جیسے صدق و سچائی اور اخلاص کو ملا کر بیان کیا ہے، فرمان باری تعالی ہے:

﴿چنانچہ تمہیں بتوں کی گندگی سے بچتے رہنا چاہیے، اور جھوٹی باتوں سے بھی پرہیز کرنا چاہیے، اللہ کی توحید کو مانتے ہوئے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے ہوئے﴾الحج(30-31).

6 - ان مزارات و یادگاروں کے لیے زاد راہ لے کر سفر کرنا، اور وہاں کا قصد کرنا، حتی کہ ان مزارات کے گدی نشینوں کو ان مزرات کی زیارت کرنے اور وہاں کے سفر کی ترغیب دینے کے لیے (مناسک حج المشاہد) نامی کتاب بھی لکھ ماری، اس میں اس کا حج کرنا اور اسے اللہ کے علاوہ معبود بنانے کے علاوہ تو کچھ نہیں، اور ان گدی نشینوں کی جانب سے یہ چیز بالکل بیت اللہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، یہ بات کسی کے لیے مخفی اور پوشیدہ نہیں کہ ایسا کرنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت ہی نہیں بلکہ اعلانِ جنگ اور دین اسلام کو چھوڑ کر بت پرستی اور مورتیوں کی دین میں داخل ہونے کے مترادف ہے.

7 – گدی نشینوں اور مجاوروں کی جانب سے ان مزرات پر آکر حاجات پوری ہونے اور دعاء کی قبولیت، اور مدد و معاونت حاصل ہونے، فائدہ کا حصول اور ضرر و نقصان سے بچاؤ کی ایسی حکایات و قصے اور خرافات بیان کیے جاتے ہیں جو سب کے سب کذب بیانی اور دجل پر مشتمل ہوتے ہیں تا کہ قبروں اور مزارات و یادگاروں پر آکر لوگ کثرت سے آکر ان بدعتیوں کے چنگل میں پھنس سکیں اور یہ لوگ حرام مال کمائیں.

جیسا کہ مصر میں ایک صوفی سلسلہ کے پیر صاحب نے اعتراف بھی کیا ہے کہ ان مزارات اور یادگاروں کے لیے حکومت کی جانب سے حاصل ہونے والی معاونت صرف دس فیصد ہوتی ہے اور نوے فیصد تو نذر و نیاز کے لیے رکھے گئے ڈبوں اور گلوں سے آمدن ملتی ہے، یہ تو صرف مصر کا حال ہے، اسی لیے گدی نشین عرس وغیرہ کی یاد دہانی کرواتے رہتے ہیں اور انہیں مزارات و یادگاروں کی زیارت کی ترغیب بھی اسی لیے دیتے ہیں کہ وہاں توسّل و تبرّک کے لیے جاؤ اور نذرانہ پیش کر کے آؤ.

اسی طرح عراق میں مسجد علی کا مجاور اور گدی نشین کچھ اس طرح کی بات کرتا ہے: میں اس وقت گدی نشین ہوں...، اور اس کے لیے مجھے حکومت یعنی وزارت اوقاف کی جانب سے بہت بڑی تنخواہ ملتی ہے، اس دور کی حکومت کے سربراہ کی حکم سے ہمارا خاندان ایک سو ستر برس سے اس کی گدی نشینی کر رہا ہے، اس کے

علاوہ زائرین جو کچھ یہاں سونا و چاندی اور کرنسی وغیرہ رکھ جاتے تھے ابھی کچھ عرصہ قبل تک تو صرف اکیلا گدی نشین ہی لیتا تھا، حالانکہ مسجد کے خادم اور بھی ہیں جو مسجد کا خیال رکھتے ہیں، اور باوجود اس کے وہ گدی نشین اوقاف کی جانب سے بہت بڑی تنخواہ بھی لیتا ہے، اس لیے اب حکومت نے معاشرتی انصاف کی بناپر مسجد اور مزار کی ماہانہ پچاس ہزار دینار آمدن اکیلے گدی نشین کو لینے پر پابندی عائد کر کے اسے مختلف لوگوں میں تقسیم کرنے کا حکم جاری کیا ہے۔

8 – عامۃ الناس کو یہ اعتقاد دینا کہ قبروں میں دفن شدہ ولی تکلیفیں دور کرنے اور مدد کرنے پر قادر ہیں، اور آسمان سے بارش بھی دلوا دیتے ہیں، حاجات پوری کرتے ہیں، مظلوم کی مدد و نصرت کرتے ہیں، اور خوفزدہ شخص کو بچاتے ہیں، اس کے علاوہ دوسری خرافات سے پر عقائد بتا کر گدی نشین اور مجاور لوگوں کا عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کے ساتھ دلی تعلق قائم کرتے ہیں حالانکہ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تو ایک عاجز اور فوت شدہ اللہ کا نیک و صالح بندہ تھے۔

احیاء قبور کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی خطرناک طریق خرابی یہی ہے کہ خرافات و وہم پر مبنی حکایات و قصے سن کر وہاں دعا اور مدد و نصرت اور استغاثہ کے لیے جایا جائے اور عاجز سی میت کا دل میں تعلق قائم کر لیا جائے۔

جیسا کہ میں نے اوپر کی سطور میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قبر کے پاس جا کر دعا کی قبولیت اور تجربہ کے ساتھ مطلوبہ مقاصد کے حصول کے دعوی کو باطل قرار دینا بیان کیا ہے، اس کا تفصیلا مطالعہ کرنے کے لیے آپ صفحہ نمبر (118) کا مطالعہ کریں.

احیاء آثار کے نتیجہ میں نمایاں طور پر پیدا ہونے والی خرابیاں اور نقصانات یہی تھے جو اوپر کی سطور میں بیان کر دیے گئے ہیں، مسلمان کو ان جیسی خرابیوں میں پڑنے سے بچ کر رہنا ضروری ہے، بلکہ اس تک لے جانے والے وسائل اور طریقوں سے بھی اجتناب کرتے رہنا چاہیے.

خاتمہ

بلاشک و شبہ امت اسلامیہ مٹی میں دبے ان آثارِ قدیمہ کے احیاء کی نہ تو محتاج ہے اور نہ ہی اسے اس کے لیے کوئی عجائب گھر بنانے اور نمائش لگانے کی ضرورت ہے، بلکہ آج امت اسلامیہ کو اگر کسی چیز کی بہت زیادہ ضرورت ہے تو وہ صحیح احادیث نبویہ اور آثار صحابہ کے احیاء کی ضرورت ہے کیونکہ امت کی اصلاح اور حقیقی سعادت تو نبی کی احادیث پر عمل اور اس کی ترویج اور نشر اشاعت میں ہے.

اللہ تعالی ہمارے نبی محمد اور آپ کی آل اور صحابہ کرام پر روز قیامت تک بہت زیادہ رحمتیں اور سلامتی نازل فرمائے.

الحمد للہ بروز ہفتہ 4/4/1444 ہجری کو یہ کتاب مکمل ہوئی.

کاتبہ: منیرہ بنت عبد العزیز بن عبد الرحمٰن المقوشی

Urdu / اُردُو

مختصر كتاب

إحياء الآثار

مُنيرة بنت عبدالعزيز المقوشي